رات کا شہزادہ

رات کا شہزادہ

ابنِ صفی

عمران سیریز ۸

۱۹۵۶

پیش رس

زیر نظر شمارہ عمران سیریز کا آٹھواں شمارہ ہے اور عمران کے ابتدائی کارناموں میں سے وہ شمارہ ہے جو بار بار پڑھ کر بھی قاری کی تسلّی نہیں ہوتی اور ایسے ہی کارنامے ہیں جن کی بناء پر بعض قارئین اب بھی جناب ابن صفی سے گذارش کرتے ہیں کہ ایسے ناول بھی کبھی کبھی ضرور لکھا کریں۔ جب کہ عمران ایکس ٹو

نہیں تھا۔

پبلشر

(۱)

عمران نے جھلّا کر ریسیور پٹخ دیا۔۔۔ اُسے اس فون سے نفرت ہو گئی تھی۔۔۔ تین چار دِن سے وہ بیکار بیٹھا مکھّیاں مار رہا تھا۔ اس پر کچھ تو ''بیکاری'' سوار تھی اور کچھ فون۔۔۔ فون یوں سوار تھا کہ شہر کی ایک لڑکی نے اس سے فون پر محبّت شروع کر دی تھی۔۔۔ وقت بے وقت رِنگ کر کے اسے خواہ مخواہ بور کرتی تھی۔

عمران نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔ کیسی ہے۔ کہاں رہتی ہے۔۔۔ بس اس نے اس سے فون پر محبّت شروع کر دی تھی۔

اس وقت تو عمران کو خاص طور پر غصّہ آیا تھا۔ اس نے رِنگ کر کے "ہیلو!" کہا۔ پھر جلدی سے بولی۔ "اوہ ڈیڈی اِدھر آرہے ہیں!" اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ پہلے تو عمران کا دل چاہا کہ ریسیور اپنے سر پر مار لے لیکن پھر اسے ہُک پر ہی پٹخنے پر اکتفا کرنا پڑا۔

شاید آدھے ہی منٹ بعد گھنٹی پھر بجی۔۔۔ عمران سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پھر وہی ہو گی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو!" دوسری طرف سے مترنّم سی آواز آئی۔

"ہائیں! پھر؟" عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "جی ہاں! میں سمجھی تھی شاید ڈیڈی اِس طرف آئیں گے۔"

"خُدارا مجھے اپنے ڈیڈی ہی کا نام اور پتہ بتادیجیے!" عمران نے گھگھیا کر کہا۔

"ہرگز۔۔۔ نہیں! ورنہ آپ میری محبّت کا خون کر دیں گے۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

”ابے او۔۔۔ سلیمان!“ عمران حلق پھاڑ کر چیخا۔

”جی!“ فون سے آواز آئی۔

”آپ سے نہیں۔“ عمران جھنجھلا کر بولا۔ ”میں اپنے نوکر کو پکار رہا تھا۔“

دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر کہا گیا۔ ”آپ اتنے بے درد کیوں ہیں!“

عمران نے ریسیور سلیمان کو تھما دیا۔ سلیمان سمجھا شاید کہیں سے اُس کا فون آیا ہے۔

اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”جی!“

پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہوئے کچھ دیر تک سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔۔۔ اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

”جی صاحب! میں سلیمان بول رہا ہوں۔“

پتہ نہیں دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا۔ بہر حال جب وہ ریسیور رکھنے لگا تو

اس کا ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔

”کیوں بے۔۔۔ یہ کون تھی؟“ عمران نے گرج کر پوچھا۔ ”صاحب! میں کیا جانوں؟“

”صاحب کے بچّے! تم نے نامحرم عورتوں سے عشق لڑا لڑا کر میرا فون نجس کر دیا ہے۔“

”ارے۔۔۔ اللہ قسم صاحب۔۔۔ میں تو جانتا بھی نہیں!“

”پھر وہی بکواس! زوری اور چیتہ سوری۔۔۔ ارر۔۔۔ سوری اور زینہ چوری۔۔۔ کیا کہتے ہیں بے؟“

”چوری اور سینہ زوری!“ سلیمان جلدی سے بولا۔

”ہاں پھر۔۔۔ بول۔۔۔“

”میں نہیں جانتا صاحب کہ کون تھی۔“

”ہائیں تو کیا در جنوں ہیں؟“ عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”نہیں صاحب۔۔۔ قسم لے لیجیے۔“

”شوپنہار کو پڑھا ہے تو نے؟“

”نہیں صاحب۔۔۔!“

”نطشے کو۔۔۔؟“

”کون سے نقشے کو؟“

”بالکل جاہل ہے۔۔۔ ابے نقشے نہیں نطشے۔۔۔ جرمن فلاسفر۔۔۔ نطشے۔۔۔“

”صاحب۔۔۔ آپ کچھ بھول گئے ہیں!“ سلیمان جلدی سے بولا۔

”کیا بھول گیا ہوں!“

”یہی کہ آپ آج مجھے دِن بھر کی چھٹّی دے دیں گے۔۔۔ کل آپ نے وعدہ کیا تھا۔“

”دفع ہو جاؤ۔۔۔ لیکن کان کھول کر سُن لے۔۔۔ عشق وشق کا چکر چھوڑ دے۔۔۔ ابھی تیرے بال بچّے بھی نہیں ہوئے ہیں۔۔۔ برباد ہو جاؤ گے۔۔۔ گیٹ آؤٹ!“

سلیمان سر کھجاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

آج کل عمران فلیٹ میں تنہا تھا۔۔۔ روشی نے دوسرا فلیٹ لے لیا تھا اور اب وہیں رہتی تھی۔ عمران جیسے آدمی کو برداشت کر لینا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔

عمران نے اپنے گھر کی شکل مہینوں سے نہیں دیکھی تھی۔۔۔ رحمان صاحب کا حکم تھا کہ اسے گھر میں گھُسنے ہی نہ دیا جائے۔ ویسے وہ اُدھر سے گزرتا ضرور تھا۔ پھاٹک پر رُک کر چوکیدار کو غالب کے دو چار اشعار سناتا، کنفیوشس کے اقوال دہراتا اور خودی کا فلسفہ سمجھاتا ہوا گزر جاتا۔ البتّہ اُس کے خاص نوکر سلیمان نے اُس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ رحمان صاحب کی ملازمت ترک کر کے وہ بھی عمران کے پاس پہنچ گیا تھا۔

روشی کے چلے جانے کے بعد عمران نے "ادارہ شادی و طلاق" کا بورڈ ہٹوا دیا تھا اور اب اس کی جگہ ایک سادہ بورڈ نے لے لی تھی۔ جب وہ فلیٹ میں داخل ہونے لگتا تو اس پر چاک سے لکھ دیتا۔

"علی عمران ایم ایس سی، پی ایچ ڈی (آکسن)"

جب فلیٹ سے کہیں باہر جانے لگتا تو اسے مٹا کر لکھ دیتا۔

"سلیمان (اس نالائق کے پاس کوئی ڈگری نہیں ہے)"

پڑوسی دیکھتے اور ہنستے۔۔۔ سلیمان میں اتنی ہمّت نہیں تھی کہ وہ اسے مٹا دیتا۔ محکمہ سُراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض اسی حیص بیص میں پڑا ہوا تھا کہ عمران کا تعلّق ہوم ڈیپارٹمنٹ سے ہے بھی یا نہیں۔۔۔

ویسے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عمران کے لئے کوئی خاص جگہ پیدا کی گئی ہو گی۔۔۔ اور اس کی دانست میں ہوم سیکرٹری سر سلطان ایسے نہیں تھے کہ عمران جیسے خر دماغ آدمی کو منہ لگاتے۔

بہرحال یہ کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل عمران کا ذریعہ معاش کیا ہے۔۔۔ اور خود عمران۔۔۔ عمران کا خیال یہ تھا کہ ذریعہ معاش سِرے سے کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی لڑکی فون پر پیچھے پڑ جائے تو ذریعہ معاش کا پسماندہ کسی یتیم خانے ہی کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔۔۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

اور اس نے ریسیور اٹھا کر ہانک لگائی۔ ”میں عمران کا باپ رحمان بول رہا ہوں۔“

لیکن اب جو غور سے سنا تو وہ کسی لڑکی آواز نہیں تھی۔ بلکہ شاید کہیں سے غلط کنکشن ہو گیا تھا۔ دو آدمی گفتگو کر رہے تھے۔ اور عمران ایک ایک لفظ سُن رہا تھا۔

ایک طرف سے بولنے والا یقیناً کسی تکلیف میں مبتلا تھا کیونکہ اس کے منہ سے بار بار کراہ نکل جاتی تھی۔

”میں نے۔۔۔!“ آواز آئی ”بدقّت تمہیں فون کیا ہے۔۔۔ اوف۔۔۔

اونہہ۔۔۔ میرے ہاتھ پیر ایک کرسی میں جکڑے ہوئے ہیں۔“

”پھر تم نے نمبر کیسے ڈائل کئے؟“ دوسری آواز آئی۔

پہلی آواز۔ ”اوہ۔۔۔ بمشکل تمام کرسی سمیت کھسکاتا ہوا میز تک آیا۔۔۔ میز پر پڑی ہوئی ایک پینسل دانتوں میں دبائی۔۔۔ اور اسی سے نمبر ڈائل کئے۔۔۔ ریسیور کو سر سے پہلے ہی میز پر گرا لیا تھا اور اب وہ جس پوزیشن میں ہے اس سے مجھے تمہاری آواز صاف سنائی دے رہی ہے اور میری گردن ٹوٹی جا رہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ۔۔۔ یہ عمارت کہاں ہے۔۔۔“

دوسری آواز۔ ”تم وہاں پہنچے کس طرح۔۔۔؟“

پہلی آواز۔ ”میری گردن ٹوٹ رہی ہے۔۔۔ یہ پھر بتاؤں گا۔۔۔ کچھ کرو۔۔۔ کمرے کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند ہیں۔۔۔ ٹھہرو!“

دوسری آواز۔ ”لیکن جب یہی نہیں معلوم کہ عمارت کہاں ہے؟“

پہلی آواز۔ ”ارے سنو بھی تو۔ ٹھہرو! میں تمہیں اس فون کا نمبر بتاتا ہوں۔“

آواز آنی بند ہوگئی۔ لیکن عمران ریسیور کان سے لگائے رہا۔

کچھ دیر بعد آواز آئی۔ "اس کا نمبر تھری ون ایٹ سکس ناٹ ہے۔۔۔ ڈائریکٹری میں دیکھو کہ یہ نمبر کس کا ہے۔۔۔ پتہ چل جائے گا لیکن اب یہاں فون مت کرنا۔۔۔ کیونکہ میں ریسیور کو کسی طرح بھی ہک پر رکھ کر سلسلہ منقطع نہیں کر سکتا۔"

دوسری آواز۔ "اچھا!۔۔۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔۔۔ عمران نے جھپٹ کر ٹیلیفون ڈائریکٹری اُٹھائی۔

نمبر کی تلاش آسان کام نہیں تھا۔۔۔ پھر بھی وہ بڑی تیزی سے ورق گردانی کرتا رہا۔۔۔ اسی دوران میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔۔۔ اور عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ "ہیلو!" دوسری طرف سے آواز آئی اور یہ اسی لڑکی کی آواز تھی۔

عمران بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "ہیلو! یتیم خانہ۔۔۔ انجمنِ سادات!"

"اوہ۔۔۔ معاف کیجئے گا!" دوسری طرف سے آواز آئی اور یہ سلسلہ منقطع

کر دیا گیا۔

عمران ریسیور رکھ کر پھر ڈائریکٹری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اور اس بار اسے وہ نمبر مل گیا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ نمبر۔۔۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سیکرٹری سر سلطان کے نجی ٹیلیفون کا ہے۔

عمران بڑی تیزی سے اپنا سر سہلانے لگا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی پھر بجی اور عمران سر سہلاتے سہلاتے ہاتھ روک کر اپنے سر پر طمانچے مارنے لگا۔

اس بار اس نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ گھنٹی بجتی رہی اور وہ باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کرتا رہا۔ آخر گھنٹی بجنی بند ہو گئی اور عمران میز پر سے فلیٹ ہیٹ اٹھا کر باہر آیا۔

لیکن وہ اس وقت بھی سائن بورڈ پر سے اپنا نام مٹانا نہیں بھولا۔ چونکہ سلیمان اندر موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنا نام مٹا کر اس کا نام لکھنے بجائے لکھ دیا۔ ”اللہ

کا فضل ہے۔"

پھر فلیٹ کو مقفّل کر کے وہ پیدل ہی اس طرف چل پڑا۔ جہاں اس نے ایک گیراج کرائے پر لے رکھا تھا۔ گیراج سے اپنی ٹو سیٹر نکالی اور سر سلطان کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۲)

آج سر سلطان کی طبیعت کچھ مضمحل سی تھی۔ اس لئے وہ آفس نہیں گئے تھے وہ اس وقت بر آمدے ہی میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز اخبارات کے صفحات اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ آج کی خبریں پڑھ چکے تھے۔ دو ایک چھوٹے موٹے مضامین بھی دیکھ ڈالے تھے اور اب ایڈیٹر کے نام پڑھنے والوں کے خطوط سے گزر کر اشتہارات دیکھ رہے تھے کہ عمران کی ٹو سیٹر کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ اور پھر جب انہوں نے عمران کو دیکھا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

”تم یہاں کیسے؟“ انہوں نے پوچھا۔ عمران ابھی برآمدے میں بھی داخل نہیں ہو پایا تھا۔

”میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے پاس پڑوس میں کوئی بنگلہ تو خالی نہیں ہے؟“

”کیا؟“ سر سلطان اسے چند لمحے گھورتے رہے پھر بولے۔ ”تم مجھ سے سنجیدگی سے گفتگو کیا کرو۔ ورنہ دونوں کان اُکھاڑ لوں گا۔“

”خدا کی قسم میں بالکل سنجیدہ ہوں جناب! اور میری یہ پیشن گوئی ہے کہ آپ مستقبل قریب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہونے والے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔!“

”بیٹھنے کا وقت نہیں ہے جناب! ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔“

”عجیب آدمی ہو! کیا بک رہے ہو؟“

”آپ کا فون نمبر تھری ون ایٹ سکس ناٹ ہے نا!“

”ہاں یہی ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔“

”کوئی بنگلہ خالی ہے۔۔۔ یقیناً ہو گا۔۔۔“

”جب تک پوری بات نہیں بتاؤ گے۔۔۔!“ سر سلطان جملہ پورا کرنے کی بجائے اسے گھورنے لگے۔ انہیں عمران کے انداز گفتگو پر حیرت تھی۔ اس نے آج تک ان سے اس طرح بے تکلّفی سے گفتگو نہیں کی تھی۔

عمران کم سے کم الفاظ میں ٹیلیفون کا واقعہ دہرانے کی کوشش کرنے لگا۔

”مجھے حیرت ہے۔۔۔ کہیں کسی نے کسی سے مذاق نہ کیا ہو۔۔۔!“ سر سلطان نے کہا۔

”آپ کے دُشمنوں کی کمی نہیں ہے۔۔۔ اس کا اعتراف تو آپ کو ہو گا۔“

”ہاں۔۔۔ آں ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن ایک ہی نمبر کے دو فون۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔۔۔ ویسے میرے بنگلے کی پشت ہی پر ایک بنگلہ خالی ہے۔“

”تو پھر جلدی کیجیے۔۔۔ شاید ہمیں اس کا قفل توڑنا پڑے۔“

”اس کی کنجی میرے پاس ہی ہے۔“ سر سلطان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”وہ میرے ایک عزیز کی ملکیت ہے۔۔۔ اور کرائے کے لئے خالی ہے!“

”فون بھی ہے!۔۔۔ وہاں!“

”نہیں۔۔۔ اب تو نہیں ہے! پہلے کبھی تھا۔“

”اچھا تو میں بنگلے کی پشت پر چلتا ہوں۔“ عمران اُٹھتا ہوا بولا۔

سر سلطان اٹھ کر اندر چلے گئے۔۔۔ عمران بنگلے کی پشت پر آیا۔

دوسرے بنگلے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔۔۔ عمران نے ٹیلیفون کے تاروں پر نظر ڈالی۔۔۔ اور۔۔۔ ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر سر ہلانے لگا۔ اتنے میں بنگلے کی کنجی اس کے پاس پہنچ گئی۔ سر سلطان خود نہیں آئے تھے۔ کنجی ایک نوکر کے ہاتھ بھجوادی تھی۔

”صاحب سے کہہ دو خود تشریف لائیں۔“ عمران نے کہا۔

”میں کیسے کہوں صاحب!“ نوکر بولا۔

"ٹھہرو!" عمران نے جیب سے نوٹ بُک نکالی۔ اس پر کچھ لکھا اور کاغذ پھاڑ کر نوکر کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ "نہیں کہہ سکتے تو یہ انہیں دے دینا۔۔۔ جلدی کرو۔"

نوکر چلا گیا۔۔۔ عمران مُضطربانہ انداز میں وہیں ٹہلتا رہا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار تھے۔۔۔ اور وہ بار بار اس تار کی طرف دیکھنے لگتا تھا جو سر سلطان کے بنگلے کے تار کے کھمبے سے دوسرے بنگلے کی دیوار تک پھیلا ہوا تھا۔

اسے تقریباً تین یا چار منٹ تک سر سلطان کا انتظار کرنا پڑا! سر سلطان آئے ضرور۔۔۔ مگر کچھ جھنجھلائے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے۔

"میں پھر کہتا ہوں کسی نے مذاق کیا ہو گا۔" انہوں نے کہا۔

"مگر یہ ملاحظہ فرمایئے!" عمران اُوپر کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "اس سلسلے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ آپ کے وائر پول سے یہ کنکشن کیسا؟"

"اوہ۔۔۔ ہو!" سر سلطان کے ہونٹ حیرت سے کھُل گئے۔ پھر وہ عمران کی طرف خالی الذّہنی کے سے انداز میں دیکھتے رہنے کے بعد بولے۔ "بڑی عجیب بات ہے!"

"بس اب آیئے۔۔۔" عمران دوسرے بنگلے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں چکّر کاٹ کر بنگلے کے برآمدے کے سامنے پہنچے اور جیسے ہی وہ آگے بڑھے۔۔۔ ایک بار پھر سلطان کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔

"ہیں۔۔۔ یہاں تو قفل پڑا ہوا تھا!" وہ بڑبڑائے۔

عمران ان کی طرف دھیان دیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب سر سلطان کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ عمران نے صدر دروازے پر رُک کر اس کے بولٹ کو غور سے دیکھا اور جیب سے رومال نکال کر اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا۔ پھر اسی ہاتھ سے دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ سر سلطان خاموش تھے۔

"ذرا ان نشانات کے خیال رکھیے گا۔" عمران نے گرد آلود فرش کی طرف

اشارہ کر کے کہا جس پر کسی کے پیروں کے نشانات بہت واضح تھے۔

شاید یہ بنگلہ بہت دِنوں سے خالی تھا۔ کیونکہ اس کی دیواریں بھی گرد آلود تھیں۔

عمران پیروں کے نشانات دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ایک کمرے کے دروازے پر ختم ہو گئے۔ عمران رُک گیا کیونکہ دروازہ بند تھا۔ اس نے مُڑ کر سر سلطان کی طرف دیکھا جو اسے پہلے ہی سے گھور رہے تھے۔

"کیا۔۔۔؟ آپ میرے متعلّق کوئی غلط بات سوچ رہے ہیں!" عمران نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ دروازہ کھولو!"

"آپ کی اجازت سے!" عمران نے آہستہ سے بڑبڑا کر اُسی ہاتھ سے دروازے کو دھکا دیا جس پر رومال لپٹا ہوا تھا۔

دروازہ کھُل گیا اور سر سلطان عمران کو ایک طرف ہٹا کر مُضطربانہ انداز میں

اندر داخل ہو گئے۔ پھر دونوں ہی تحیّر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

میز کے قریب ایک کرسی اُلٹی پڑی تھی اور اس کے نیچے بہت سا تازہ خون تھا۔ رسّی کے ٹکڑے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔

”لیکن۔۔۔ لاش۔۔۔؟“ سر سلطان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”لاش۔۔۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”پتا نہیں۔۔۔ لیکن اس نے کسی کو آپ کے فون کا نمبر بتایا تھا۔۔۔ لہٰذا یہ آپ کے خلاف کسی قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔“

”میرے خلاف۔۔۔؟“

”جی ہاں! بہتر یہی ہے کہ آپ پولیس کو فون پر مطلع کر دیں۔ میں یہیں ہوں۔ آپ جائیے۔۔۔ لیکن یہاں کوئی ٹیلیفون موجود نہیں ہے۔ شاید وہ جلدی میں دیوار والا کنکشن الگ نہیں کر سکے۔۔۔ یہ چیز آپ کے حق میں بہتر

ہوئی ہے۔"

"کیا چکر ہے بھئی! میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔" سر سلطان نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ فون کر دیجیے! کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

سر سلطان چند لمحے کچھ سوچتے رہے۔۔۔ پھر وہاں سے چلے گئے۔

عمران تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر میز کے قریب آکر اس پر جھک پڑا۔۔۔ معلوم نہیں وہ کیا دیکھ رہا تھا۔

اچانک وہ چونک پڑا۔ یقیناً وہ دوڑتے ہوئے قدموں ہی کی آواز تھی اور کوئی اسی طرف آرہا تھا۔ عمران تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

یہ سر سلطان تھے۔۔۔ دروازے کے قریب آکر وہ اچانک رُک گئے اور اب ان کے انتظار زدہ چہرے پر خفت کے آثار بھی تھے جیسے انہیں احساس ہو کہ اس طرح دوڑنا ان کی سی شخصیت کے آدمی کو زیب نہیں دیتا۔

"واقعی۔۔۔ عمران!" وہ ہانپتے ہوئے بولے۔ "سازش۔"

”کیا ہوا؟“

”لاش!“

”کہاں؟“

”میرے پائیں باغ میں۔۔۔ چلو!“ وہ پھر تیزی سے مُڑ گئے۔

عمران ان کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی اسے سر سلطان کو اس حال میں دیکھنے کا اتّفاق نہیں ہوا تھا۔ کسی زمانہ میں ان کا فوجی کیریئر بھی رہ چکا تھا۔۔۔ اور اب بڑھاپے میں بھی وہ کم از کم اتنے کمزور دل تو نہیں ہو سکتے تھے کہ ایک لاش دیکھ کر اس طرح بدحواس ہو جاتے۔

عمران اُن کے ساتھ دوڑتا ہوا پائیں باغ میں آیا اور یہاں اس نے گلاب کی جھاڑیوں میں ایک لاش دیکھی چونکہ وہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ چہرہ نہ دیکھ سکا۔ لیکن پشت میں گھُسے ہوئے خنجر کا دستہ تو بہر حال صاف نظر آ رہا تھا۔

عمران سر سلطان کی طرف مُڑا جو کسی معصوم بچے کی طرح کھڑے پلکیں جھپکا رہے تھے۔۔۔ ان کے ستے ہوئے چہرے پر بڑائی کی کوئی علامت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

"آپ نے فون نہیں کیا؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی!" سر سلطان نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "لیکن!" عمران اس "لیکن" کے بعد والے جملے کا منتظر رہا۔ مگر سر سلطان نے اس سے آگے اور کچھ نہیں کہا۔

"آپ شاید کچھ کہنا چاہتے تھے۔" عمران بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔" سر سلطان دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر لان پر بیٹھ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔

"میں نے آج سے قبل کبھی آپ کو اس حال میں نہیں دیکھا۔ آخر آپ پریشان کیوں ہیں؟ یہاں صرف لاش کی موجودگی یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ

آپ قتل کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"ہم ادھر ہی سے گزر کر وہاں گئے تھے۔" سر سلطان نے کہا۔

"جی ہاں!"

"لیکن یہ لاش اس وقت یہاں نہیں تھی۔"

"نہ رہی ہو گی۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔ "میں دراصل آپ کی پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ مجھے فون کر دینا چاہیے۔" سر سلطان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ عمران انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے برآمدے کی طرف چلے گئے۔

(۳)

پولیس کی کارروائی ختم ہو جانے کے بعد عمران نے سر سلطان سے کہا۔ ”آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔“

”کیا چھپا رہا ہوں؟“ سر سلطان دفعتاً چونک پڑے اور ان کے چہرے کی زردی بڑھ گئی۔

”مقتول آپ کے لیے گمنام تھا؟“

”قطعی گمنام تھا۔“

”پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مجرم کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ پر شُبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔“

سر سلطان خاموش رہے اور عمران کہتا رہا۔ ”اگر آپ کے خلاف کسی قسم کی سازش ہے تو اسے دوسری شکل میں ہونا چاہیے تھا۔ یعنی آپ اس صورت میں مقتول سے نہ صرف واقف ہوتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کا علم ہوتا کہ آپ کے اور اس کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔“

”ٹھیک ہے!“

”پھر آپ کی پریشانی فضول ہے۔“

”میں کیا بتاؤں۔۔۔ کہ۔۔۔“ وہ پھر کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔ اور عمران موضوع بدل کر بولا۔ ”اب میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”تم۔۔۔ میں خود نہیں بتا سکتا کہ تم اس سلسلے میں کیا کر سکو گے۔“

”ممکن ہے کچھ کر ہی سکوں۔ لیکن اس صورت میں جب کہ آپ مجھے کسی

معاملے میں بھی اندھیرے میں نہ رکھیں۔" عمران نے کہا۔

سر سلطان کچھ سوچنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "دیکھو عمران! میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم قاتل کو ڈھونڈ نکالو۔"

"میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ لیکن اس صورت میں بھی آپ میرے کچھ سوالات کے جواب دینے پر مجبور ہوں گے۔ میں اس بے تکلّفی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں!" سر سلطان نے مُسکرانے کی کوشش کی۔ وہ آہستہ آہستہ خود پر قابو پارہے تھے۔ دیر ہوئی لاش وہاں سے اُٹھ چکی تھی اور پولیس والے بھی جا چکے تھے۔

"اس دوران میں آپ کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں قطعی نہیں۔"

"کیا آپ کی ترقّی کے سلسلے میں کسی دوسرے کی حق تلفی ہوئی ہے؟"

”نہیں یہ بات بھی نہیں ہے۔“

”پھر بتایئے قاتل کیسے پکڑا جا سکتا ہے۔۔۔“ عمران نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ”نہ آپ کسی کے دُشمن نہ کوئی آپ کا دُشمن، مقتول آپ کے لیے اجنبی۔ ایک ایسے مکان میں اسے قتل کیا گیا جس کی کُنجی آپ ہی کے پاس تھی اور پھر اسے آپ کے پائیں باغ میں ڈال دیا گیا آپ خود سوچیے۔۔۔ میں کسی الجھن میں پڑ سکتا ہوں!“ سر سلطان کچھ نہیں بولے۔ عمران بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور چھپا رہے ہیں۔

عمران نے کہا۔

”آپ کے ٹیلیفون کے تار کے کھمبے سے کنکشن لیا گیا تھا۔ اور فون۔۔۔ اب آپ سوچیے کہ وہاں آخر ٹیلیفون کا ڈرامہ کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔! اگر آپ سوچیں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ قاتل یہی چاہتا تھا۔۔۔ کیا نام۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ مطلب یہ کہ قاتل چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے مقتول کسی نہ کسی کو فون ضرور کر دے۔۔۔ اس کے لئے اس نے آپ کا فون نمبر منتخب کیا۔

آہا۔۔۔ اچھا اب میں کچھ نہ پوچھوں گا۔۔۔ ابھی میرے ہاتھ میں ایک کارڈ موجود ہے۔۔۔ یعنی وہ آدمی جسے فون کیا گیا تھا۔۔۔ میری ہی طرح غالباً اسے بھی ڈائریکٹری میں آپ کا نمبر دیکھ کر حیرت ہوئی ہو گی۔ یا نہ ہوئی ہو۔۔۔ خدا جانے۔۔۔"

"لیکن تم اسے تلاش کیسے کرو گے۔۔۔ تمہیں کیا معلوم کہ مقتول نے کس نمبر پر رنگ کیا تھا۔"

"جی ہاں یہ تو نہیں معلوم مگر۔۔۔ دیکھیے۔۔۔ میں کوشش کروں گا۔"

اس کمرے میں عمران اور سر سلطان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ گھر کے دوسرے افراد کو اس حادثے کی کوئی فکر ہی نہ رہی ہو۔ اس کمرے سے ملحقہ سارے کمروں سے لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تقریباً سبھی پریشان رہے ہوں گے۔ لیکن وہ یہاں اس کمرے میں آنے کی ہمّت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سر سلطان ان لوگوں میں سے تھے جن کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ ناک پر مکھّی بھی نہیں بیٹھنے دیتے۔

"اچھا تو اب مجھے اجازت دیجیے۔۔۔!" عمران نے سر سلطان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" سر سلطان نے اُٹھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

جیسے ہی وہ اٹھے ان کے کپڑوں سے ایک چھوٹی سی تصویر نکل کر فرش پر گر پڑی اور وہ بڑی پھرُتی سے اسے اُٹھانے کے لیے جھکے۔۔۔ عمران کا ہاتھ مصافحے کے لیے پھیلا ہی رہ گیا لیکن تصویر پر اس کی نظر پڑ ہی گئی۔ حالانکہ سر سلطان نے اسے اُٹھانے میں جلدی کی تھی۔

عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے سر سلطان ذہنی فتور میں مبتلا ہوں۔ یہ تصویر اُلّو کی تھی۔۔۔ کیمرہ فوٹو۔۔۔ اُلّو کی تصویر جسے شاید سر سلطان اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھے۔

انہوں نے عمران کی طرف چوروں کی طرح دیکھا اور جھینپتے ہوئے انداز میں

مُسکرا پڑے۔

"اپنے معاملات۔۔۔ آدمی خود ہی سمجھ سکتا ہے۔۔۔" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ایسے ہی واقعات میری کھوپڑی اُلٹ دیتے ہیں۔ میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ پھر لوگوں کو مجھ سے شکایت ہوتی ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"میں اس تصویر کے متعلّق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ اس کی پُشت پر خون کا چھوٹا سا دھبّہ موجود ہے اور شاید کچھ تحریر بھی ہے۔"

سر سلطان نے ایک لمبی سی سانس لی اور آرام کرسی میں گر گئے۔

"بتا سکتا ہوں۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھو گے!" انہوں نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ سمجھوں گا۔" عمران نے کسی ایسے نا سمجھ بچّے کے سے انداز میں کہا جو ہر حال میں اپنی بات منوا لینے پر تُل گیا ہو۔

سر سلطان نے وہ تصویر اُس کی طرف بڑھا دی۔ عمران اُن کے قریب ہی

ایک کرسی پر بیٹھ کر اُسے دیکھنے لگا۔ تصویر کی پُشت پر خُون کا دھبّہ بہت نمایاں تھا اور ابھی اس کی رنگت میں زیادہ تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی اور وہ تحریر۔۔۔ معنی خیز بھی تھی۔۔۔ اور مضحکہ انگیز بھی۔۔۔ صرف تین لفظ تھے۔۔۔ ”رات۔۔۔ کا۔۔۔ شہزادہ۔“

”کسی ذہین بچّے کی شرارت۔“ عمران سر سلطان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”لیکن مجھے یہ تصویر اِسی لاش پر رکھی ہوئی ملی تھی۔“ سر سلطان نے کہا۔

”آج وہ بچّہ رات کو سوتے وقت ضرور ڈرے گا۔“ عمران سنجیدگی سے بولا۔ پھر اُلّوؤں کی طرح دیدے نچا کر کہنے لگا۔ ”جناب والا۔۔۔! اگر یہ لاش پر ملی تھی۔۔۔ تو آپ اسے اب تک چھپائے کیوں رہے۔۔۔ میں حقیقتاً اب صرف یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا تم بھی مجھ پر کسی قسم کا شُبہ کر سکتے ہو؟“ سر سلطان نے کہا۔

عمران کرسی کا ہتھا کھٹکھٹاتا رہا۔ کچھ بولا نہیں۔ لیکن وہ اب بھی سر سلطان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "بس اب جاؤ!" دفعتاً سر سلطان نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ بات کہاں سے شروع کروں!"

"اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ تو پھر مجھے ہی شروع کرنے کی اجازت دیجیے۔" عمران نے کہا۔

"کیا؟"

"اس تصویر کے متعلّق۔۔۔ میں اپنی یادداشت پر زور دے سکتا ہوں۔"

"تو کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو!" یک بہ یک سر سلطان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"یقیناً۔۔۔"

"کیا جانتے ہو۔۔۔؟"

”یہی کہ دنیا کا ایک پُراسرار ترین آدمی آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔“

”کون؟ تم اس کے متعلّق کیا جانتے ہو؟“

”دیکھیے۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں۔“ عمران اُٹھتا ہوا بولا۔ ”اس کے متعلّق پھر کبھی گفتگو کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس آدمی تک پہنچ ہی جاؤں جسے مقتول نے فون کیا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ آپ کے بنگلے کے آس پاس ہی منڈلا رہا ہو گا۔“

عمران کو توقع تھی کہ سر سلطان اسے ضرور روکیں گے لیکن سر سلطان نے بیٹھے ہی بیٹھے الوداعی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ عمران اس تصویر کے متعلّق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ ویسے اس نے اپنی دانست میں اڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سر سلطان سے تصویر کے بارے میں سب کچھ اُگلوا لے گا۔ لیکن سر سلطان اس معاملے میں بالکل ہی ٹھُس ثابت ہوئے۔ عمران نے کسی پُراسرار آدمی کا

تذکرہ کرکے تھوڑی دیر کے لئے اُن کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور پیدا کر دیے تھے۔ لیکن وہ خود سے کچھ کہنے کے بجائے عمران کے آگے بڑھنے کا انتظار کرتے رہے۔۔۔ اور عمران۔۔۔ عمران کو سمجھنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ چلتے چلتے رُک کر بولا۔

"لاش کی تصویریں حاصل کر کے مجھے بھجوا دیجیے گا۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ کیپٹن فیاض سے اس مسئلے پر اُلجھوں۔۔۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہم دونوں کے تعلّقات کتنے احمقانہ ہیں۔"

پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

(۴)

عمران کا خیال سو فیصدی درست نکلا۔ سر سلطان کے بنگلے سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک آدمی نظر آیا جو اس طرح کھڑا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ لباس سے خوشحال معلوم ہوتا تھا۔

عمران کی کار اس کے قریب سے گُزر گئی۔ عمران سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ وہ آدمی نہ ہو کیونکہ ایسے حالات میں جب کہ پولیس وہاں سے ایک لاش لے گئی تھی اس کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہی ہوتا۔۔۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی واضح رائے نہیں قائم کی جا سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس کی کاروائیاں ختم ہو

جانے کے بعد وہاں پہنچا ہو۔ اُسے اس کا علم ہی نہ ہو سکا ہو کہ تھوڑی دیر قبل وہاں کیا ہو چکا ہے۔

یہ غریب آدمیوں کی بستی تو تھی نہیں کہ لوگ گھنٹوں سڑک پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کے متعلّق چہ میگوئیاں کرتے۔۔۔ یہاں اس طبقے کی آبادی نہیں تھی جس کے افراد کسی آوارہ کتّے کی اچانک موت پر بھی افسوس کرنے کے لئے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔

یہاں سے پولیس تھوڑی دیر قبل ایک آدمی کی لاش لے گئی تھی لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔۔۔ بس تھوڑی دیر کے لیے مکانوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔۔۔ کچھ لوگ سڑک پر نکل آئے تھے۔۔۔ اور پھر کچھ بھی نہیں۔۔۔ گویا پرندوں کے جھنڈ پر کسی شکاری نے گولی چلائی۔۔۔ ایک گِرا۔۔۔ دوسرے اُڑ گئے۔۔۔ اس کے بعد نیچے وہی زمین اوپر وہی بیکراں نیلا آسمان۔۔۔ اور دونوں کے درمیان وہی ازلی سناٹا۔۔۔

عمران کی کار اس آدمی سے زیادہ دُور نہیں گئی تھی۔ رفتار پہلے ہی سے کم تھی۔

عمران ایک دوراہے پر اسے روک کر دو بنگلوں کی درمیانی جگہ میں اس طرح بیک کرنے لگا جیسے غلط راستے پر نکل آنے کے بعد واپس ہونا چاہتا ہو۔ مگر اس کی کار دوبارہ سڑک پر نہیں آئی۔ عمران اسے روک کر نیچے اتر آیا۔ گلی کے موڑ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ آدمی اب بھی وہیں کھڑا ہے لیکن اب وہ تنہا نہیں تھا اور نہ اب اس کے انداز میں پہلے کی سی بے فکری تھی۔۔۔ وہ ایک دوسرے آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ان کے قریب ہی ایک شاندار کار کھڑی تھی۔

عمران نے انہیں کار میں بیٹھتے دیکھا اور کار مخالف سمت میں مُڑ گئی۔۔۔ عمران بڑی تیزی سے اپنی کار کی طرف جھپٹا۔ اس نے انجن نہیں بند کیا تھا مگر اس سے یہ غلطی بے خیالی میں سرزد ہوئی تھی۔ دیدہ دانستہ ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

اس کی کار دوسری کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔۔۔ لیکن اس اسٹیج پر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ صحیح راستے پر ہے۔ کسی بھی معاملے کی سُراغ رسانی کی ابتدا ایسے ہی غیر یقینی حالات سے ہوتی ہے۔ محض شبہے کی بناء پر غلط راستے

بھی اختیار کر لیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ غلط راستہ ہی سُراغ رساں کو اس کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔۔۔ یعنی وہ حقیقتاً غلط راستہ نہیں ہوتا۔۔۔ اور پھر عمران تو اس کا قائل تھا کہ جیسے کوئی مغنّی سِتار پر اُلٹے سیدھے ہاتھ چلاتے چلاّتے کوئی دُھن نکال لیتا ہے، اِسی طرح ایک سُراغ رساں کی بے مقصد بھاگ دوڑ بھی آخر کار اُسے منزل تک پہنچا ہی دیتی ہے۔

وہ اگلی کار کا تعاقب کرتا رہا۔

اب وہ شہر کے سب سے زیادہ بارونق حصّے میں تھا۔ کار فگارو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔۔۔ یہ یہاں کے بہت بڑے ہوٹلوں میں سے تھا اور اب عمران نے دوسرے آدمی کو قریب سے دیکھا یہ فگارو کے منیجر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔۔۔ عمران کی کار بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہو چکی تھی۔

وہ ان کے پیچھے ہی پیچھے ہوٹل میں داخل ہوا۔۔۔ عمران سمجھا تھا کہ شاید منیجر اپنے کمرے ہی میں جائے گا۔ لیکن وہ اور اس کا ساتھی ڈائننگ ہال میں ہی ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ دو کرسیاں خالی تھیں۔

عمران تیر کی طرح ان کی طرف گیااور بڑے بے تکلّفانہ انداز میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ان دونوں نے اُس کی اِس حرکت کو حیرت اور غصّے کی نظر سے دیکھا۔۔۔جواب میں عمران بھی حیرت سے مُنہ کھولے انہیں باری باری گھور رہا تھا۔اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اچانک اپنی کسی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ پھر قبل اس کے کہ وہ دونوں کچھ کہتے عمران بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اور پھر جب آپ نے ٹیلیفون ڈائریکٹری کی ورق گردانی کی تو اُسے وہ نمبر مل گیا۔۔۔ لیکن وہ نمبر ہوم سیکرٹری سر سلطان کا تھا۔۔۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" منیجر کا ساتھی منہ کھول کر کرسی کی پُشت سے ٹِک گیا۔۔۔اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔ عمران نے یہ تبدیلی اچھی طرح محسوس کی۔

لیکن منیجر نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ دونوں کا بھلا چاہتا ہوں۔۔۔ اور درویش کی صدا کیا ہے!" عمران نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" منیجر غرّایا۔

"اگر آپ نے دیکھا بھی ہوتا تو کیا فرق پڑتا۔۔۔ ہونے والی باتیں ہو کر ہی رہتی ہیں۔۔۔ مثلاً اس پینسل پر دانتوں کے نشان موجود ہیں جسے دانتوں میں دبا کر آپ کے نمبر ڈائل کئے گئے تھے۔ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ مقتول مرنے سے پہلے ایک کرسی میں جکڑا ہوا تھا۔۔۔ اور وہ سر سلطان کے پڑوس کے ایک خالی بنگلے میں تھا۔ یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ تار سر سلطان کے وائر پول سے دوسرے بنگلے تک لے جایا گیا تھا۔۔۔ آہا! آپ نہیں سمجھے، پھر سے سمجھئے۔۔۔ بلکہ یوں۔۔۔"

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!" منیجر نے بات کاٹ دی۔ لیکن اب اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ اس وقت وہاں پہنچے تھے جب لاش اٹھ چکی تھی!“

”کیسی لاش؟“منیجر کے ساتھی نے تھوک نگل کر پوچھا۔

”اچھی لاش! یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خراب نہیں ہوئی تھی۔“ عمران نے جواب دیا۔

”آپ ہمارا وقت برباد کر رہے ہیں!“ منیجر نے سنبھالا لیا۔ ”اجنبیوں سے بے تکلّف ہونے کی کوشش کرنا بد تمیزی ہے۔“

”صرف اسی صورت میں جناب!“ عمران دیدے نچا کر بولا۔ ”جب وہ اجنبی عورتیں ہوں۔“

”آپ براہِ کرم یہاں سے اُٹھ جایئے۔۔۔ ورنہ۔۔۔“منیجر اسے گھورنے لگا۔

”اچھا اب سنیے۔۔۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ”شاید آپ کو علم نہیں کہ بڑے آفیسروں اور وزرا کے ٹیلیفون۔۔۔ عام ٹیلی فونوں سے

مختلف ہوتے ہیں۔۔۔ یعنی ایکسچینج میں اُن کے میٹر سے ایک چھوٹا سا ٹیلی پرنٹر بھی اٹیچ ہوتا ہے۔۔۔ یعنی اِدھر آپ نے اُن کے نمبر ڈائل کیے اور اُدھر وہاں آپ کے نمبر کھٹا کھٹ چھپ گئے۔۔۔ اسی طرح دونوں طرف کے نمبر چھپ جاتے ہیں۔۔۔ اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے۔۔۔ کہ میں سیدھا یہیں کیسے پہنچ گیا۔۔۔"

عمران نے یہ گپ کچھ اِس انداز میں ہانکی کہ اچانک منیجر کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔۔۔ اس کے ساتھی کی حالت تو اس سے بھی زیادہ ابتر تھی۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے پھیپھڑوں میں مزید سانسوں کے لئے جگہ ہی نہ رہ گئی ہو۔

"آپ کون ہیں؟" منیجر نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔ "کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔۔۔؟"

"پولیس۔۔۔!"

”سو فیصدی۔۔۔ جناب!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب آپ جو کچھ بھی کہیں گے۔۔۔ سوچ سمجھ کر کہیں گے۔“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ کہ یہ سب کیسے ہوا۔۔۔“ منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔

”کیا ہم کہیں تنہائی میں نہیں چل سکتے!“ عمران نے کہا۔ ”آپ بھی معزّز آدمی ہیں۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بات عام آدمیوں میں پھیلے۔“

”اوہ۔۔۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!“ منیجر جلدی سے بولا۔ ”میرے آفس میں چلئے۔“

وہ تینوں وہاں سے اُٹھ کر منیجر کے آفس میں آئے۔

عمران نے خود ہی گفتگو چھیڑ دی۔ ان کے بولنے کا انتظار نہیں کیا۔

”اسے دوسرے بنگلے میں ہلاک کر کے لاش سر سلطان کی کمپاؤنڈ میں ڈال دی گئی تھی۔۔۔ آپ کو فون کرنے کے لئے سر سلطان کے نمبر استعمال کیے گئے۔۔۔ میں تو آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ مقتول نے فون پر آپ سے کیا

کہا تھا۔۔۔"

منیجر کچھ نہیں بولا۔

عمران اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ پھر اسی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"مقتول کون تھا؟"

"فگارو کا ایک حصّہ دار۔۔۔ مسٹر کرار۔۔۔" منیجر نے مُردہ سی آواز میں جواب دیا۔

"کرار اور حصّہ دار کا قافیہ مجھے پسند آیا۔۔۔ بہر حال۔۔۔ مگر۔۔۔ جناب وہ چکر کیا تھا؟"

"میں کسی چکّر سے واقف نہیں!" منیجر نے کہا۔ "نہ یہ جانتا ہوں کہ وہ وہاں پہنچے کِس طرح!"

"بلا شُبہ آپ یہ نہیں جانتے کہ مقتول وہاں کیسے پہنچا تھا۔۔۔ لیکن چکّر سے تو

آپ واقف ہیں۔ اس سلسلے میں آپ جھوٹ بول کر کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ میں اس گفتگو کے ایک ایک لفظ سے واقف ہوں جو آپ دونوں کے درمیان فون پر ہوئی تھی۔"

منیجر پھر خاموش ہو گیا۔

"بتا دینے میں آپ کا فائدہ ہے۔" عمران نے کہا۔ "دوسری صورت میں آپ اپنی خطرناک پوزیشن سے تو واقف ہی ہیں۔ کیونکہ معاملہ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سیکرٹری کا ہے۔"

منیجر سر جھکائے گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔

"ہاں۔۔۔ جلدی کیجئے۔۔۔ میرے پاس وقت کم ہے۔۔۔ ورنہ آپ کو اس کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ لاش سر سلطان کی کمپاؤنڈ میں کیوں ڈالی گئی تھی۔۔۔ اور شاید آپ کے فرشتے بھی اس کا جواب نہ دے سکیں۔ ویسے آپ یہ تو جانتے ہوں گے کہ کسی بات کو اُگلوانے کے سلسلے میں پولیس والے

جہنّم کے فرشتوں سے کم نہیں ہوتے! گونگے، بہرے اور اندھے، صرف ان کے ہاتھ مشینوں کی طرح چلتے رہتے ہیں۔ وہ نہ بول سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔ کیا یہ ضروری ہے کہ آپ میرے بیان پر یقین ہی کر لیں!"

"اس کا فیصلہ میں خود کروں گا۔" عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ "آپ نہیں کر سکتے۔۔۔ لیکن میں آپ کی زبان سے کچھ نہ کچھ سُننا ضروری سمجھتا ہوں۔"

منیجر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "کرار صاحب ایک آدمی کے چکّر میں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اس آدمی پر قابو پالیا تو مالا مال ہو جائیں گے۔"

"وہ آدمی کون ہے؟"

"یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا۔۔۔ البتّہ میں یہ جانتا ہوں کہ کرار صاحب کی زندگی کا بیشتر حصّہ جنوبی افریقہ میں گزرا تھا اور وہ آدمی وہیں سے تعلّق رکھتا

تھا۔“

”کیا وہ آج کل یہیں ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں! کرار صاحب نے تو یہی بتایا تھا۔“

”کہاں ہے۔۔۔؟ کون ہے؟“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔۔۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اس کا قیام سیٹھ داؤد کے مہمان خانے میں ہے۔۔۔ شاید آپ کو علم ہو کہ سیٹھ داؤد کی تجارت افریقہ میں بھی ہے اور یہاں اکثر اُن کے پاس افریقی تاجر آتے رہتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے خاص طور پر ایک مہمان خانہ بنا رکھا ہے۔“

”ہوں۔۔۔“ عمران صرف سر ہلا کر رہ گیا۔۔۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔۔۔ پھر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ”کرار نے آپ کو اس کا نام یا حلیہ تو یقیناً بتایا ہو گا۔“

”جی نہیں! نہ میں نے پوچھا اور نہ انہوں نے بتایا۔ ویسے میں انہیں بہت قریب سے جانتا تھا۔ وہ کیمیا گری کے خبط میں مبتلا تھے اور مجھے اِس موضوع

سے ذرّہ برابر بھی دلچسپی نہیں کیونکہ یہ چیز بالکل منشیات کی طرح آدمی کے وجود سے چمٹ جاتی ہے۔ کرار صاحب ویسے بھی کافی دولت مند تھے۔ لیکن سونا بنانے کا خبط اُن پر بُری طرح سوار تھا! چوبیس گھنٹے وہی چکّر!"

"اچھا۔۔۔ مجھے کرار صاحب کا پتہ نوٹ کرا دیجیے۔" عمران نے جیب سے نوٹ بُک نکالتے ہوئے کہا۔

"تیرہ مارسٹن روڈ۔۔۔ وہ وہاں تنہا رہتے تھے۔"

"ان کے اعزہ۔۔۔"

"مجھے تو اُن کے کسی بھی عزیز کا علم نہیں۔ انہوں نے کبھی کِسی کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔"

"آپ کی تعریف۔۔۔" عمران نے منیجر کے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے اسسٹنٹ۔۔۔ مسٹر تنویر۔"

"اچھا۔ صرف ایک سوال اور۔۔۔" عمران نوٹ بُک بند کر کے جیب میں

رکھتا ہوا بولا۔

”کیا کرار صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ اس شخص پر قابو پانے کے لئے اسے آپ کی مدد کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔“

”جی ہاں! انہوں نے کہا تھا۔۔۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ بہت خطرناک اور انتہائی چالاک آدمی ہے اور ایک بڑا مجرم بھی۔ لہٰذا میں اُن کی مدد کرنے پر تیّار تھا۔ کیونکہ مجھے مجرموں سے ذرّہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہوتی۔“

”خوب!“ عمران مُسکرایا۔۔۔ ”آپ کو تو پولیس آفیسر ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اچھا جناب بہت بہت شکریہ۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ میں پھر آپ کو تکلیف دوں۔“

(۵)

تھوڑی ہی دیر بعد عمران کی کار مارسٹن روڈ کے تیرہویں بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ بنگلہ شاندار تھا اور پائیں باغ کی حالت سے کرار کی خوش مذاقی ظاہر ہو رہی تھی۔

عمران کی کار پورٹیکو میں جیسے ہی رُکی۔ ایک قوی ہیکل آدمی اپنے بازو کے کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں آگیا۔۔۔ اُس پر نظر پڑتے ہی عمران نے ایک طویل سانس لی۔ عمران اُس سے اچھّی طرح واقف تھا۔ یہ پنٹو تھا۔۔۔ ایک پیشہ ور مکّا باز۔۔۔ جِس کا شمار شہر کے بدمعاشوں میں ہوتا تھا۔

وہ بھی عمران سے نہ صرف واقف تھا بلکہ احسان مند بھی تھا۔ ایک بار عمران نے اُسے ایک مشہور قمار باز گروہ کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔ ورنہ وہ ایک بڑی رقم کے ساتھ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔

عمران کو کار سے اُترتے دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکا۔

"ارے۔۔۔ آپ ہیں۔۔۔" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یعنی آپ اِدھر کیسے بھول پڑے۔"

"پنٹو۔۔۔! میں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔" عمران اس کے ساتھ برآمدے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میرے لائق کوئی خدمت۔۔۔ عمران بابو! میں ساری زندگی آپ کا احسان یاد رکھوں گا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا رہوں گا کہ آپ اپنی صلاحیتیں بے کار ضائع کر رہے ہیں۔ اگر آپ صرف تھوڑی سی توجّہ دیتے تو دنیا کے اچھّے مُکّا بازوں میں آپ کا شمار ہو سکتا تھا۔ مجھے آپ کے وہ مُکّے کبھی نہیں بھولیں گے جو آپ نے رکسٹن کے گروہ پر برسائے تھے۔"

”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میں بین بڑی اچھی بجا سکتا ہوں!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن فی الحال اس تذکرے کو رہنے ہی دو۔ مرنے سے قبل میں ایک بار اُس مسئلے پر ضرور غور کروں گا کہ مجھ میں کس قسم کی صلاحیتیں زیادہ ہیں۔“

”آپ جو کچھ بھی فرمایئے۔۔۔ میں ہر کام کے لئے حاضر ہوں۔“

”تم کرار کے ملازم ہو۔“

”جی ہاں! میں انہیں مُکّا بازی سکھاتا ہوں۔۔۔ آپ تشریف رکھیے۔۔۔ آپ کے لئے کافی بنوادوں یا کولڈ ڈرنک۔۔۔!“

عمران ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا کرار صاحب پچھلی رات۔۔۔ مگر ٹھہرو۔۔۔ کیا تم مستقل طور پر یہیں مقیم ہو۔“

”جی ہاں! کرار صاحب مجھ پر بہت مہربان ہیں۔۔۔ انہوں نے مجھے ایک کمرہ دے رکھا ہے۔۔۔ اور میرے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔“

”پچھلی رات وہ بنگلے ہی میں تھے۔“ عمران نے پوچھا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“ پنٹو بے اختیار چونک پڑا۔

”میری بات کا جواب دو پنٹو!“

”جی ہاں۔۔۔! مگر نہیں۔۔۔ وہ صرف ساڑھے نو بجے رات تک یہاں تھے۔۔۔ اس کے بعد سے شاید اب تک واپس نہیں آئے۔“

یہ کوئی ایسی تشویشناک بات بھی نہیں! کیوں؟“ عمران نے سوال کیا۔

”جی نہیں۔۔۔! وہ اکثر تین تین دِن تک یہاں نہیں آتے! مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ کیا انہیں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔“

”پنٹو! تم فی الحال صرف میرے سوالات کا جواب دو۔ اس کے بعد جو کچھ بھی پوچھو گے بے دریغ بتا دوں گا۔“

”بہتر ہے۔“

”کیا کرار صاحب کو کوئی حادثہ پیش آسکتا تھا؟“

"جی دیکھیے۔۔۔! بات دراصل یہ ہے۔۔۔ مجھ میں اتنی ہمّت نہیں ہے کہ آپ سے کچھ چھُپا سکوں۔۔۔ لیکن اتنا آپ جانتے ہوں گے کہ بعض معاملات میں بُرے آدمی بھی ضمیر رکھتے ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں اور تمہاری اس صفت سے بھی واقف ہوں کہ تم وعدہ خلافی نہیں کرتے۔۔۔ تم نے مجھ سے ایک بار وعدہ کیا تھا کہ اب اچھے آدمیوں کی طرح زندگی بسر کروگے۔۔۔ اور تم اس پر قائم ہو۔۔۔ لیکن ہاں! میرا خیال ہے کہ تم کرار صاحب کو ان کے احسان کے عوض کسی الزام سے بچانا چاہتے ہو!"

"جی ہاں!" پنٹو اطمینان کی سانس لے کر بولا۔ "بالکل یہی بات ہے۔"

"لیکن پنٹو۔۔۔ تمہیں یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ آج دوپہر کو کرار صاحب قتل کردیئے گئے۔"

"کیا؟" پنٹو اچھل کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں! ان کا قتل پُر اسرار حالات میں ہوا ہے۔"

"میرے خدا۔۔۔"پنٹو مُضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"اس لیے یہ پوچھنا ضروری ہے۔ مُمکن ہے تمہیں اس کے متعلّق کچھ معلوم ہو۔"عمران نے کہا۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قتل میں میرا ہاتھ ہے؟"

"تم پھر غلط سمجھے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم اپنے وعدہ کے مطابق عرصہ سے باعزّت طور پر زندگی بسر کر رہے ہو۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے کرار صاحب کو اس حادثے کا اندیشہ پہلے سے رہا ہو گا۔"

"کیوں؟ ایسا تھا یا نہیں!"

"میرا خیال ہے کہ تھا۔"پنٹو کچھ سوچتا ہوا بولا۔"انہوں نے مُجھ سے کسی غیر ملکی کا تذکرہ کیا تھا، جو شاید سیٹھ داؤد کے مہمان خانے میں مقیم ہے۔"

"وہ تذکرہ کس قسم کا تھا؟"

”ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ کسی طرح قابو میں آ جائے تو بہت بڑا مالی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے!“

”کیا کرار ہی ایسا آدمی تھا؟“

”جی نہیں! اس سے پہلے میں نے ان کی زبان سے اس قسم کی گفتگو کبھی نہیں سُنی تھی۔ حالانکہ مجھے ان کے ساتھ رہتے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔۔۔ انہوں نے مُجھے بتایا تھا کہ وہ غیر ملکی ایک بہت بڑا مجرم بھی ہے۔“

”نام تو بتایا ہو گا۔“

”جی نہیں! انہوں نے کہا تھا کہ شاید انہیں اس سلسلے میں میری مدد کی ضرورت پیش آئے۔“

عمران سوچ میں پڑ گیا۔۔۔ جب پنٹو جیسا خطرناک آدمی کرار کے پاس موجود تھا تو اسے فگارو کے منیجر سے مدد طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پنٹو اُس کے لئے آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگا دیتا۔۔۔ اور پھر پنٹو پڑھا لکھا

آدمی تھا۔ یہ چیز کرار کے بھی علم میں بھی رہی ہو گی۔ لہٰذا یہ سوچنا ہی فضول ہے کہ پنٹو ٹیلیفون ڈائریکٹری میں کرار کے بتائے ہوئے نمبر نہ تلاش کر پاتا۔۔۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں فون ہی نہ ہو۔

"کیاں یہاں فون ہے؟" عمران نے پنٹو سے پوچھا۔

"جی ہاں!"

عمران پھر سوچنے لگا۔ یہاں فون بھی موجود ہے۔ پھر آخر اس نے مدد کے لئے فگارو کے منیجر ہی کو کیوں رِنگ کیا۔۔۔ اِس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ فگارو کا منیجر بھی اِس معاملے سے گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بات بگڑ جانے پر وہ اس سے بے تعلّقی ظاہر کرے۔

"تم سے کرار صاحب کس قسم کی مدد چاہتے تھے؟" عمران نے پنٹو کو پھر مخاطب کیا۔

"کیا آپ خود ہی نہیں سوچ سکتے کہ وہ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے رہے

ہوں گے۔ میں ابھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ کسی خطرناک آدمی کے چکّر میں تھے۔"

"انہوں نے تمہیں اپنا پلان بھی بتایا ہو گا۔"

"جی نہیں۔۔۔ میں پلان سے واقف نہیں تھا۔۔۔ البتّہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ ایک آدمی نے ان کی توجّہ اس افریقی تاجر کی طرف مبذول کرائی تھی۔"

"کس نے؟"

"فگارو کے منیجر۔۔۔ نے۔"

"اوہ۔۔۔!" عمران نے ایک طویل سانس لی اور پنٹو کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے۔

پھر پنٹو نے عمران پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور عمران نے اسے سب کچھ بتا دیا، علاوہ اس کے کہ وہ فگارو کے منیجر سے پہلے ہی مل چکا تھا۔

"اچھا پنٹو!" عمران بولا۔ "یہ بتاؤ۔۔۔ مگر اچھی طرح سوچ کر! کیا کرار نے تم

سے خاص طور پر اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ فگارو کے منیجر کی ایما پر کر رہا ہے۔"

"ٹھہریئے! واقعی اس کے متعلّق مجھے سوچنا پڑے گا کہ یہ بات کیسے نکلی تھی۔۔۔ مگر کیا آپ فگارو کے منیجر پر بھی اس سلسلے میں کسی قسم کا شُبہ کر رہے ہیں؟"

"اب تم میری بات کا جواب دو۔ لیکن تمہیں اس کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ تم نے یہ کیوں پوچھا ہے؟"

"میں یقیناً جواب دوں گا۔۔۔ مجھے یہ کوئی گہری سازش معلوم ہوتی ہے۔ ہاں دیکھیے مجھے یاد آ گیا کہ کرار صاحب کے منہ سے یہ بات غالباً غیر ارادی طور پر نکل گئی کہ اس معاملے میں فگارو کے منیجر کا بھی ہاتھ ہے۔۔۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اِس طرح اِسے ٹالنے کی کوشش کی تھی جیسے اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔"

”شکریہ پنٹو!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ کرار صاحب بے داغ آدمی نہیں تھے۔ اُن کا دامن بھی جرم کے دھبّوں سے پاک نہیں تھا اور یہ بات شاید مجھے آج سے پندرہ دِن پہلے معلوم ہوئی تھی۔ وہ شراب کے اسمگلر تھے اور فگارو کا منیجر بھی اس جرم میں برابر کا شریک تھا۔“

”تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی پنٹو؟“

”ایک رات وہ بہت زیادہ نشے میں تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے سب کچھ اُگلنا شروع کر دیا تھا۔ شاید اس رات فگارو کے منیجر سے کسی بات پر ان کا جھگڑا ہو گیا تھا۔۔۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔“

”بالکل سمجھ گیا۔۔۔ پنٹو۔۔۔! ایک بار پھر شکریہ۔۔۔ یہاں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟“

”تین نوکر۔۔۔!“

"کرار کے کسی رشتہ دار سے واقف ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ ان کا کوئی رشتہ دار نہیں۔۔۔ لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے کبھی کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"میں اس کے متعلّق نوکروں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھہریئے! میں انہیں بُلاتا ہوں۔"

پنٹو چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تین نوکروں کے ساتھ واپس آیا۔ لیکن ان سے بھی عمران کو کرار کے اعزہ کے متعلّق کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک وہ ان سے سوالات کرتا رہا۔

پھر اس نے پنٹو سے کہا کہ وہ بنگلے کی تلاشی لینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پنٹو اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا کیونکہ خود اسے اپنی گردنِ بھی اس کیس میں پھنستی نظر آرہی تھی۔

(۶)

دِن ڈوبتے ہی عمران پھر سر سلطان کے بنگلے میں جا پہنچا۔۔۔ سر سلطان چند دوسرے بڑے آفیسروں کے ساتھ لان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں عمران کے والد مسٹر رحمان بھی تھے۔ مسٹر رحمان سی بی آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔

سر سلطان عمران کو دیکھتے ہی ان لوگوں سے معذرت کر کے اٹھ گئے۔

پھر وہ عمران کو اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لائے۔

"کیوں؟ کیا خبر ہے؟ تمہارے باپ نے تمہیں دیکھ کر بہت بُرا سا منہ بنایا تھا۔" سر سلطان نے مُسکرا کر کہا۔

"باپ ہر حال میں باپ ہوتا ہے۔ خواہ بیٹے کو اس کا منہ بنانا پسند ہو یا ناپسند ہو! خبر یہ ہے کہ جناب مرنے والے کا نام کرار تھا اور قیام گاہ مارسٹن روڈ پر ہے۔ تیرہواں بنگلہ۔ مقتول ذی حیثیت آدمی تھا۔"

"تم واقعی ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہو۔" سر سلطان نے کہا۔ "سی بی آئی والے ابھی تک کچھ بھی نہیں معلوم کر سکے۔"

"وہ شراب کا اسمگلر تھا۔۔۔ مگر اُلّو نے اس کی زندگی اسمگل آؤٹ کر دی۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا آپ مجھے جنوبی افریقہ کے متعلّق کچھ بھی نہیں بتائیں گے؟" عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ لیکن سر سلطان اس طرح اُچھل پڑے جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

”آخر آپ اس سے ڈرتے کیوں ہیں؟“ عمران نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔۔۔ لیکن وہ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔۔۔ کیونکہ سر سلطان کا چہرہ دفعتاً زرد ہو گیا تھا۔

”تم سچ مچ حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو!“ وہ مضطربانہ انداز میں بولے! ”مجھے تم پر بہت اعتماد ہے۔۔۔ اگر تم میرے بیٹے ہوتے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ تب میں سو فیصد نالائق ہوتا۔۔۔ کوئی غلط بات نہ کہہ دیجیے گا۔۔۔ بیٹا ہونا ہی تو بہت بری بات ہے۔“

”عمران بیٹھ جاؤ۔ میں سخت اُلجھن میں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم نہ صرف میری مدد کرو گے بلکہ رازداری بھی برتو گے۔ میں ایک بہت بڑے بلیک میلر کے چکّر میں پڑ گیا ہوں۔“

عمران ایک کرسی پر ٹِک گیا۔

”میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔“ سر سلطان نے کہا۔ ”تمہیں علم ہے کہ

میں پہلے فرانس کے سفارت خانے میں تھا اور پیرس میں میرا قیام تقریباً سات برس تک رہا ہے۔ وہیں مجھے اس پُراسرار آدمی سے دوچار ہونا پڑا۔ پتہ نہیں کس طرح اسے میرا ایک راز معلوم ہو گیا۔ ایسا راز جس کے ظاہر ہو جانے پر کسی طرف کا نہ رہوں گا۔ بہر حال پیرس ہی کے دوران قیام میں مُجھے اس بات کا علم ہوا کہ کوئی اور بھی اس راز سے واقف ہے۔ مجھے بذریعہ ڈاک اس کے متعلّق ایک خط موصول ہوا اور اس خط کے ساتھ اُلّو کی تصویر بھی تھی۔ جس کی پشت پر ”رات کا شہزادہ“ تحریر تھا۔ خط میں اس راز پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی۔ پھر بعد میں ایک کام کے لئے کہا گیا تھا جو سفارت خانے ہی سے متعلّق تھا اور وہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کام نہ ہوا تو میرا راز طشت از بام ہو جائے گا۔ خیر بہر حال وہ کام ایسا نہیں تھا جس سے میرا یا سفارت خانے کا کوئی نقصان ہوتا۔ وہ کام کر دیا گیا۔ پھر وہ مُجھ سے اس کے بعد بھی اکثر چھوٹے موٹے کام لیتا رہا۔ ہر بار مجھے اس کی طرف سے لفافہ موصول ہوا کرتا تھا جس میں اُلّو کی تصویر ضرور ہوا کرتی تھی لیکن اب۔۔۔ اب وہ شاید

آج کل یہیں مقیم ہے اور مجھ سے بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے۔ ایسا کام جس سے ملک و قوم کا وقار خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ پہلے اس نے مجھے خط لکھا۔ لیکن میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر یہ حرکت کر بیٹھا۔ وہ مجھے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ یعنی اگر میں اپنے راز کی پرواہ نہ کروں تب بھی وہ دوسرے ذرائع سے کام نکال لے گا۔ اُس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی ہے۔ یعنی جس طرح وہ میرے پڑوس میں ایک واردات کر کے دِن دہاڑے لاش میرے کمپاؤنڈ میں ڈال گیا، اِسی طرح مجھے بھی ختم کر سکتا ہے۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا خیال ہے؟"

سر سلطان خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھنے لگے۔

"ظاہر ہے!" عمران بولا "آپ مجھے اپنا وہ راز نہیں بتائیں گے!"

"ہر گز نہیں۔۔۔ کبھی نہیں!"

"اچھا تو یہی بتا دیجیے کہ وہ اب آپ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"

”میں یہ بھی نہیں بتا سکتا۔۔۔ تم اسے پوچھ کر کیا کرو گے۔۔۔ لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس کا تعلّق جنوبی افریقہ سے ہے۔“

”بس معلوم ہو گیا۔۔۔ کیا یہ غلط ہے؟“

”نہیں۔۔۔ میں نے پیرس ہی میں اس کے لئے افواہ سُنی تھی۔“

”افواہ۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس زمانے میں پیرس کے کئی متمول خاندانوں پر اسی اُلّو کا منحوس سایہ تھا اور لوگ اسے وہاں اُلّو ہی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ لیکن مجھے ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملا جس نے اسے کبھی دیکھا ہو۔“

”اس کے متعلّق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟“

”ظاہر ہے کہ میں ایک بلیک میلر کے متعلّق کیسی رائے رکھوں گا۔“

”میرا مطلب آپ نہیں سمجھے۔۔۔ میں پوچھتا ہوں آپ کی دانست میں اس

میں کچھ دم بھی ہو گا یا بھُس ہی بھُس بھرا ہو گا۔۔۔ کہیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق نہ ہو۔۔۔ مگر اس سے کیا۔۔۔ وہ یقیناً ایک مجرم ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔"

"تم نے اس وقت جو تصویر دیکھی تھی۔۔۔ وہ مجھے اسی لاش پر رکھی ہوئی ملی تھی!" سر سلطان نے کہا۔

"میں سمجھ گیا تھا!" عمران نے کہا۔ "کیونکہ اس کی پُشت پر ایک چھوٹا سا خُون کا دھبّہ تھا۔۔۔ کیا آپ یہ تصویر مجھے دے سکتے ہیں؟"

"تصویر۔۔۔ ہاں لے جاؤ۔۔۔ مگر عمران اسے تلاش کر لینا بڑا مشکل کام ہو گا۔"

"اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔۔۔ میں سی بی آئی کا کوئی اعلیٰ تربیت یافتہ جاسوس نہیں ہوں۔"

"لیکن سنو! کسی کو یہ بات معلوم نہ ہونے پائے کہ وہ تصویر لاش پر ملی

تھی۔۔۔یا اس بلیک میلر کا کچھ تعلّق میری ذات سے بھی ہے۔"

"آپ مطمئن رہیے۔ ایک بار پھر عرض کروں گا کہ میرا تعلق سی بی آئی سے نہیں ہے۔۔۔ہاں آپ نے مقتول کی تصویریں منگوا لیں یا نہیں!"

"وہ کل صُبح تک تمہیں مل جائیں گی۔"

"اچھا تو اب اجازت دیجیے!" عمران نے کہا اور سر سلطان کے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گیا۔ اُلّو کی تصویر اسے مل گئی تھی۔

(۷)

شہر کی سڑکیں رنگین روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں رات بڑی خوشگوار تھی۔۔۔خوشگوار یوں تھی کہ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔۔۔اور ٹھنڈی ہوائیں پانی سے بھری ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔بس یہ معلوم ہوتا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو جائے گی۔ ایسی راتیں عمران کے لئے بڑی دلچسپ اور انتہائی خوشگوار ہوا کرتی تھیں۔

ایسی راتوں سے وہ پوری طرح لُطف اُٹھاتا تھا۔ مگر اس کے لُطف اُٹھانے کا طریقہ عام آدمیوں کے طریقوں سے مختلف ہوتا وہ اپنا بہترین سوٹ پہن کر

باہر نکل جاتا اور بھیگتا پھرتا۔۔۔ وہ برسات کو شاعروں کی نظر سے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا وہ جو برسات کی تعریف میں بڑی بڑی نظمیں کہتے ہیں اس کی دانست میں یا تو بدھو ہوتے ہیں۔۔۔ یا سو فیصدی چار سو بیس۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی کھڑکیوں میں اسی طرح بیٹھتے ہیں کہ ان پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ پڑنے پائے۔۔۔ موسم برسات کی شان میں قصیدے کہتے ہیں کہیں راستے میں بارش آ جائے تو اس طرح جی چھوڑ کر بھاگیں گے۔۔۔ جیسے ملک الموت پیچھا کر رہا ہو۔۔۔ یہی بد ذوق جب شعر کہنے بیٹھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔۔۔ جیسے بارش کا ایک ایک قطرہ ان کی روح سے گزر کر زمین پر گر رہا ہو! بہر حال عمران صحیح معنوں میں برسات سے لُطف اٹھانے کا قائل تھا اور آج رات تو وہ دوہرا افائدہ اٹھانے کا تہیّہ کر چکا تھا۔

آج اس نے گیراج سے اپنی کار نہیں نکالی۔۔۔ کچھ دُور پیدل چلنے کے بعد ایک موٹر رکشا لیا اور جارج ٹاؤن کے علاقے میں مٹر گشت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ بارش شروع ہو گئی۔

"کہاں لے چلوں صاحب؟" رکشا ڈرائیور نے کہا۔ "بارش آگئی۔"

"آگئی؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں!"

"اچھا تو پھر مجھے یہیں اُتار دو!" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں سڑک پر؟" رکشا والے کے لہجے میں حیرت تھی!

"ہاں بھئی!"

رکشا رُک گیا۔ عمران نیچے اُتر کر جیب سے پیسے نکالنے لگا۔ بارش بڑی تیزی سے ہو رہی تھی۔ رکشے والا اُچھل کر اندر بیٹھ گیا۔ عمران نے دام چکائے اور وہاں سے چل پڑا۔۔۔ رکشے والا شاید اسے کوئی شرابی سمجھا تھا۔

عمران تقریباً سو قدم چلنے کے بعد اچھی طرح بھیگ گیا۔ فلیٹ ہیٹ اب بھی اس کے سر پر منڈھی ہوئی تھی۔

پھر وہ اس بڑے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا جس میں شہر کے بہت بڑے تاجر

سیٹھ داؤد کی عمارتیں تھیں۔ اُن کی کھڑکیوں میں مختلف رنگوں کی روشنیاں نظر آرہی تھیں لیکن بارش کے نہ رکنے والے شور نے ان کی ساری دلکشی لوٹ لی تھی۔ اور پھر ذرا سی دیر میں عمران کے لئے برسات میں بھی کوئی دلکشی نہ رہ گئی۔ کیونکہ بارش کے شور کے ساتھ ہی ساتھ وہ کتّوں کا شور بھی سُن رہا تھا اور یہ شور آہستہ آہستہ قریب آتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ خطرہ سر پر پہنچ گیا۔۔۔ اور عمران نے ایک قریبی عمارت کے برآمدے میں چھلانگ لگا دی۔۔۔ ساتھ ہی وہ مدد کے لئے بھی چیخا۔۔۔ تین خطرناک السیشن اس پر جھپٹ پڑے تھے۔ اور عمران بھیگی ہوئی فلیٹ ہیٹ سے انہیں دھمکا رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور ایک نسوانی آواز سُنائی دی۔ وہ کتّوں کو ڈانٹ رہی تھی۔ عمران کتّوں سے نپٹ رہا تھا اس لئے اُس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ اب وہ بھی کتّوں ہی کی طرح بھونکنے اور غُرّانے لگا تھا۔ کئی سُریلے قہقہے اُس کے کانوں سے ٹکرائے۔ دو تین نوکروں نے کتّوں کے پٹّوں میں ہاتھ ڈال دیے تھے اور انہیں کھینچتے ہوئے دوسری طرف لے جا رہے تھے۔

اب عمران اُن لڑکیوں کی طرف مُڑا جو اُس پر ہنس رہی تھیں۔۔۔ یہ چار تھیں۔۔۔ اور ان میں ایک یوریشین بھی تھی۔

"آپ آدمی ہیں؟ یا گدھے!" یوریشین لڑکی نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی گدھے کی آواز نہیں نکالی۔" عمران بڑی معصومیت سے بولا۔

یوریشین کے علاوہ بقیہ تین لڑکیاں پھر ہنس پڑیں۔

"آپ کون ہیں؟ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"میں۔۔۔ بارش۔۔۔ کتنی تیز ہو رہی ہے۔۔۔ آپ دیکھ رہی ہیں نا۔۔۔" عمران نے بھیگی ہوئی فلیٹ ہیٹ کو سر سے منڈھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کا شیپ بالکل ہی بگڑ چکا تھا۔ اس کے گوشے نیچے لٹکے پڑے تھے۔ آخر عمران نے اسے باہر پھینک دیا۔

"لیکن آپ بھونکنے اور غُرّانے کیوں لگے تھے؟" ایک لڑکی نے ہنسی روکنے

کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کرتا، مجبوری تھی۔۔۔ میں انہیں اُن کی زبان میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں ان سے کمزور نہیں ہوں۔"

کتّے اب بھی عمارت کے کسی گوشے میں آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔

"اچھا آپ تشریف لے جایئے۔" یوریشین لڑکی نے کہا۔ "ورنہ وہ ہماری نیند حرام کر دیں گے۔"

"آپ دیکھ رہی ہیں کہ بارش۔۔۔"

"اسی لیے تو میں گھر نہیں جانا چاہتا۔۔۔ بھیگے ہوئے کپڑے دیکھ کر ممّی اور ڈیڈی گھر میں گھُسنے نہیں دیں گے۔ ڈیڈی بہت غصّہ ور آدمی ہیں! اور ممّی اُن سے بھی زیادہ غصّہ ور ہیں۔ جب انہیں غصّہ آتا ہے تو قدرتی طور پر کئی روز تک ڈیڈی کے کھانے میں نمک بہت تیز رہتا ہے۔"

"مس تھیلما!" ایک لڑکی نے یوریشین لڑکی سے کہا۔ "انہیں ضرور پناہ دینی

چاہیے۔"

"نہیں مس داؤد۔۔۔! میں مجبور ہوں۔ آج کل مسٹر داؤد اجنبیوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"میں یہ کب کہتی ہوں کہ ڈیڈی بھی انہیں دیکھیں۔"

"مس داؤد میں مجبور ہوں۔۔۔ مسٹر داؤد کا حکم!" تھیلما جسے مس داؤد کے نام سے مخاطب کر رہی تھیں وہ لڑکی جھلّا گئی۔

"آپ میرے ساتھ آیئے۔" اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں!" عمران دردناک آواز میں بولا۔ "آپ لوگ میری وجہ سے جھگڑا نہ کیجیے۔ میں چلا جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے یہ میری زندگی کی آخری رات ہو کیونکہ اس وقت سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی ہوں گی اور گٹروں کے ڈھکن کھول دیئے گئے ہوں گے۔۔۔ رات کو مجھے یوں بھی کم سُجھائی دیتا ہے کہ کسی گٹر میں پاؤں پڑے گا اور میں ہمیشہ کے لئے بدبُودار پانی میں دفن ہو جاؤں گا۔"

عمران نے خاموش ہو کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے!" مس داؤد نے آگے بڑھ کر کہا۔ "آپ اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک بارش تھم نہ جائے۔"

"لیکن وہ صاحب۔۔۔ کیا۔۔۔ نام ان کا۔۔۔ جو اجنبیوں کو دیکھنا نہیں پسند کرتے۔"

"اوہ۔۔۔ آپ فکر نہ کیجئے۔۔۔ میں انہیں سنبھالوں گی۔۔۔ وہ میرے ڈیڈی ہیں۔"

"لیکن اگر وہ میرے ہی ڈیڈی کی طرح غصّہ ور ہوئے تو؟"

"میں نہیں جانتی مس داؤد!" تھیلما بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ "اس کی ذمّہ داری آپ پر ہو گی۔"

"یہ لڑکی بہت چڑچڑی معلوم ہوتی ہے۔" عمران بولا۔

"ڈیڈی کی سیکرٹری ہے۔ چلیے آپ۔۔۔ بہت بری طرح بھیگ گئے ہیں۔" وہ

اسے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لائیں جہاں فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔

”دیکھیے اس طرف غُسل خانہ ہے۔ وہاں آپ اپنے کپڑے تبدیل کر لیجیے۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

”ہائیں!“ عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”لیکن میرے پاس دوسرے کپڑے ہیں کہاں؟“

”کپڑے۔۔۔“ لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر ایک شوخ سی مُسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”کیا آپ تھوڑی دیر تک پیٹی کوٹ اور بلاؤز میں نہ رہ سکیں گے۔ اتنے میں آپ کے کپڑے بھی پریس ہو جائیں گے۔“

اس تجویز پر لڑکیاں ہنسنے لگیں اور عمران احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔

”آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔“ مس داؤد نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ابھی آپ کتّوں سے اُن کی ہی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اب تھوڑی دیر کے لئے

عورتوں میں عورت بن جایئے۔"

"میں کتّا بن سکتا ہوں۔۔۔ لیکن عورت بننا میرے بس سے باہر ہے کیونکہ عورت اکثر بھونکے بغیر ہی کاٹ کھاتی ہے اور کتّے کاٹنے سے پہلے ہی معذرت طلب کر لیتے ہیں۔ نن۔۔۔ نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ بارش تھمتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

اچانک راہداری میں قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ "ڈیڈی آ رہے ہیں شاید۔۔۔ تھیلما کی بچّی نے اُنہیں بتا ہی دیا۔" مس داؤد بڑبڑائی۔

دوسرے لمحے میں ایک دُبلا پتلا بوڑھا دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے پچکے ہوئے چہرے پر بڑی بڑی اور چڑھی ہوئی سفید مونچھیں بُری لگ رہی تھیں۔ آنکھیں بھوری اور چمکدار تھیں۔

اُس نے گنگناتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

”کچھ نہیں ڈیڈی۔۔۔“مس داؤد آگے بڑھ کر بولی۔ ”یہ بے چارے بھیگ گئے تھے۔“

”یہ بے چارے اب بھی بھیگے ہوئے ہیں۔۔۔ پھر؟“

”میں نے کہا۔۔۔ یہ اپنے کپڑے خشک کر لیں۔۔۔ تب تک بارش بھی تھم جائے گی۔“

”اور اگر بارش نہ تھمی تو؟“ بوڑھے نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

”تب پھر۔۔۔!“

”تب پھر کیا؟۔۔۔ جلدی بولو۔۔۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔“

”تب پھر یہ چلے ہی جائیں گے۔“

”بہتر یہی ہے کہ ابھی چلے جائیں۔“ بوڑھے نے کہا۔

عمران کے چہرے پر حماقت کے آثار بحال ہو گئے تھے۔ ویسے وہ اس بوڑھے کا بہت توجّہ اور دلچسپی سے جائزہ لے رہا تھا۔۔۔ یہی سیٹھ داؤد تھا۔ اس کی

ظاہری حالت کہہ رہی تھی کہ وہ اعصابی خلل کا شکار ہے۔ تیزی سے حرکت کرتی ہوئی آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

"دیکھیے۔۔۔ میں آپ سے کہہ رہا تھا؟" عمران نے مس داؤد کی طرف دیکھ کر رو دینے والی آواز میں کہا۔ "مجھے جانے دیجیے۔ ہمدردیوں کے مستحق صرف جان پہچان والے ہوتے ہیں ورنہ لاوارث لاشیں فٹ پاتھوں پر پڑی ہوئی کیوں ملیں۔"

"براہِ کرم آپ لڑکیوں کو سیاست نہ پڑھایئے۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر۔" عمران نے کسی کمسن بچے کی طرح معصومیت سے سر ہلا کر کہا۔

"ڈیڈی! میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔" مس داؤد نے کہا۔

"میں نے تو وعدہ نہیں کیا تھا۔" سیٹھ داؤد نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"میری زندگی میں یہ چھتیں میری ہیں۔۔۔ مسٹر آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

عمران جلدی سے فرش پر بیٹھ گیا۔

"تھیلما! "سیٹھ داؤد نے تھیلما کی طرف مُڑے بغیر اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔۔۔ سیٹھ داؤد دروازے سے کمرے میں کھسک آیا۔

"جی!" تھیلما آگے بڑھی۔

"پولیس کو فون کرو!" سیٹھ داؤد نے عمران کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

لیکن عمران پر اس جملے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ گونگے اور بہرے آدمیوں کی طرح ایک ایک کی صورت دیکھتا رہا۔

"بہت بہتر جناب!" تھیلما جانے کے لئے مُڑی۔

"ٹھہرو!" مس داؤد نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہر گز نہیں ہو سکتا۔۔۔ ڈیڈی میں زہر کھالوں گی۔۔۔ آپ مجھے ذلیل کر رہے ہیں۔"

"تھیلما جاؤ!" سیٹھ داؤد غرّایا۔

تھیلما چلی گئی۔

”ڈیڈی! یہ نہیں ہو سکتا۔“

”تم اپنے کمرے میں جاؤ!“ سیٹھ داؤد نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں ہر گز نہیں جاؤں گی۔۔۔ اگر آپ نے انہیں پولیس کے حوالے کیا تو اچھا نہ ہو گا۔“

”کیا تم اسے پہلے سے جانتی ہو؟“ دفعتاً داؤد کا لہجہ نرم ہو گیا۔

”نہیں! میں ان کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں۔“

”تب تمہارے دماغ میں فتور ہے۔“

مس داؤد عمران کی طرف مُڑی، جو اب بھی سادھوؤں کی طرح پالتی مارے فرش پر جما ہوا تھا۔

”آپ چلے جایئے! میں بہت شرمندہ ہوں! خدا کے لئے پولیس کے آنے سے

پہلے ہی چلے جائیے۔۔۔ڈیڈی پتھّر ہیں!"

"پولیس کو آنے دیجیے۔۔۔اس کی پرواہ مجھے نہیں ہے!" عمران نے درویشانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پھر آپ پاگل ہیں! جائیے خدا کے لئے!"

"نہ میں خدا کے لئے آیا تھا اور نہ خدا کے لئے جاؤں گا!" عمران نے کسی ضدّی بچّے کی طرح کہا۔ "یہ کیا ستم ہے کہ اُلّوؤں کو مہمان خانے میں جگہ ملے اور آدمی کا پٹھا سڑکوں پر بھیگتا پھرے۔۔۔ واہ بھئی۔۔۔ لا حول۔۔۔ کنفیوشس نے کہا تھا۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" سیٹھ داؤد کا منہ حیرت سے پھیل گیا "کیا کہا تم نے؟"

"یہی کہ میں آدمی کا پٹھا ہوں۔۔۔اُلّو کا نہیں۔۔۔جی ہاں!"

"تم کون ہو؟" داؤد نے خوفزدہ سی آواز سے پوچھا۔۔۔ اس کے چہرے کی ساری سختی یکلخت غائب ہو گئی تھی۔

”آہا! کیا آپ کو یقین نہیں ہے کہ میں آدمی ہوں؟“

”ڈیڈی کا مطلب ہے کہ آپ کا نام کیا ہے؟“ مس داؤد جلدی سے بولی۔
”رات کا شہزادہ!“ عمران نے بڑی معصومیت سے کہا اور سیٹھ داؤد غالباً خود کو سنبھالے رکھنے کیلئے دیوار سے جا لگا۔۔۔

اتنے میں راہداری سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔

آنے والی تھیلما تھی۔۔۔ وہ جہاں سے بھی آئی غالباً دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ کیونکہ اس نے گفتگو کیلئے ہونٹ تو کھولے تھے لیکن چڑھتی ہوئی سانسوں نے ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہ دیا۔

”مسٹر داؤد پلیز۔۔۔!“ وہ بمشکل تمام کہہ سکی۔ ”ایک۔۔۔ منٹ کے۔۔۔ لئے ادھر آیئے۔۔۔!“

اس نے کمرے سے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ داؤد نے ایک بار پھر سہمی ہوئی آنکھوں سے عمران کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

تینوں لڑکیاں خاموش کھڑی عمران کو گھور رہی تھیں۔ انہوں نے بھی داؤد کے رویّے میں اس فوری تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔

"ہاں!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "پیٹی کوٹ۔۔۔ اور بلاؤز سے کام چل جائے گا۔ لیکن جلدی کیجئے۔۔۔ مجھے سردی محسوس ہونے لگی ہے اگر بخار آ گیا تو میں آسمان سر پر اُٹھا لوں گا۔"

مس داؤد آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی اور اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"آپ کون ہیں؟"

"لاحول۔۔۔ ولا قوۃ۔۔۔!" عمران اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو اپنے گلے میں ایک سائن بورڈ لٹکا لیتا۔"

"ڈیڈی یک بیک خوف زدہ کیوں ہو گئے تھے۔۔۔ میری بات کا جواب دیجیے۔۔۔"

"ارے وہ۔۔۔" عمران ہنسنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "وہ لڑکی بڑی عقلمند ہے انہیں ہٹالے گئی۔۔۔ ورنہ یہیں جلا کر بھسم کر دیتا۔۔۔ فقیروں سے دل لگی ہنسی کھیل نہیں ہے۔۔۔ آپ نے میری سیوا کی ہے۔ اس لئے جو دل چاہے پوچھ لیجئے۔۔۔ سٹّے کا نمبر۔۔۔ لاٹری کا نمبر۔۔۔ کسی معمّے کا صحیح حل۔۔۔ مقدمے میں کامیابی ہو گی یا ناکامی۔۔۔ شوہر کالا ہو گا یا گورا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ہپ۔۔۔"

"ہاتھ دیکھنا بھی جانتے ہیں آپ؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔ ویسے اسے بہت زور سے ہنسی آرہی تھی۔

"ہاں۔۔۔جی ہاں!"

"ذرا میرا ہاتھ تو دیکھیے۔"

"لائیے۔۔۔" عمران نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

وہ دو یا تین منٹ تک اس کا ہاتھ اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اسے چھوڑ کر اپنا

گال کھجانے لگا۔

"کچھ بتایا نہیں آپ نے!" لڑکی نے کہا۔

"آہا! کیا عرض کروں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔۔ آپ کے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں مگر یہ ناخن بڑھا کر اپنی انگلیوں پر ظلم کیا ہے۔۔۔ قیامت کے دِن ان میں کیلیں ٹھونک دی جائیں گی۔۔۔ علمائے کرام یہی کہتے ہیں۔۔۔!"

"مسٹر۔۔۔!" مس داؤد جھجھلائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اب براہِ کرم آپ یہاں سے کھسک جایئے۔" عمران تھوڑا سا آگے کھسک گیا۔

"نہیں سُنا آپ نے۔۔۔؟"

"کھسک تو گیا۔" عمران نے لاپروائی سے کہا اور پھر دوسری لڑکی سے بولا۔ "کیا آپ ہاتھ نہیں دکھائیں گی۔"

"جی نہیں۔۔۔ شکریہ!" جواب ملا۔

"آپ اُٹھتے ہیں یا میں نوکروں کو بلاؤں!" مس داؤد نے کہا۔

”خدا کی قسم میں نوکروں کے ہاتھ ہرگز نہیں دیکھوں گا!“

”اچھا تو پھر ٹھہریے۔۔۔“ مس داؤد دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اگر نہ رکتی تو یقینی طور پر تھیلما سے ٹکرا جاتی جو آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی اس بار پھر وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ شاید اسے دوڑ کر ہی آنا پڑا تھا۔

”مسٹر۔۔۔ ذرا سنیئے۔۔۔ میرے ساتھ آیئے۔“ اُس نے عمران سے کہا۔ عمران فرش سے اُٹھ گیا۔

(۸)

تھیلما اور عمران بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہے تھے۔ آخر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے اور تھیلما نے دروازہ بند کر دیا۔

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں!" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا نادانستگی میں ہوا۔"

"سب ٹھیک ہے!" عمران بڑبڑایا۔

"ابھی کچھ دیر قبل روشی نے آپ کے متعلّق فون کیا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ

یہ آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ میں آپ کے بارے میں روشی سے سب کچھ سُن چکی ہوں۔ میں نے اس سے استدعا کی تھی کہ آپ کو کچھ دِنوں کے لئے یہاں بھیج دے۔ روشی میری دوست ہے۔"

"اچھا تو اب کام کی بات شروع کر دو۔ مجھے بہت کم فرصت رہتی ہے۔" عمران نے کہا۔

"مسٹر داؤد ایک پرائیویٹ سُراغ رساں چاہتے ہیں۔"

"اس قسم کے جانور عموماً انگلینڈ اور امریکہ ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اپنے یہاں ان کی گنجائش نہیں۔۔۔ آگے کہو!"

"اوہو! میں جانتی ہوں کہ یہاں پرائیویٹ سُراغ رسانی کے لائسنس نہیں دیئے جاتے۔"

"پھر؟"

"کچھ نہیں! مجھے علم ہے کہ آپ کسی نہ کسی طرح اپنا کام چلا ہی لیتے ہیں۔"

”اچھا۔۔۔ چلا لیتا ہوں۔۔۔ پھر؟“

”پھر یہ کہ یہاں بھی چلایئے!“ تھیلما نے مُسکرا کر کہا۔

”خوب! لیکن کام کی نوعیت؟“

”اتّفاق سے یہ مسئلہ کم از کم میرے لیے اتنا الجھا ہوا ہے کہ شاید کام کی نوعیت بھی آپ ہی کو دریافت کرنی پڑے۔۔۔ اتنا ہی آپ کو بتا سکتی ہوں کہ مسٹر داؤد پچھلے پندرہ دونوں سے بہت زیادہ خائف نظر آ رہے ہیں۔ لیکن خوف کی وجہ انہوں نے مجھے نہیں بتائی۔۔۔ بس وہ ایک پرائیویٹ سُراغ رساں چاہتے ہیں، جو ہر وقت اُن کے ساتھ رہے۔“

”اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتیں؟“

”نہیں۔۔۔ مگر ایک بات اور۔۔۔ وہ نہ جانے کیوں آپ سے بھی ڈر گئے ہیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا کہ آپ وہی آدمی ہیں جس کے لیے میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔“

"تم نے وجہ نہیں پوچھی۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں! وہ کبھی کسی بات کی وجہ نہیں بتاتے۔"

عمران کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "تو پھر مجھے صرف اُن کے ساتھ رہنا ہو گا۔"

"جی ہاں!"

"اور پھر مجھے بتانا ہو گا کہ وہ کس سے اور کیوں خائف ہیں!"

"تمہارا نام تھیلما ہے۔۔۔ ہے نا!"

"ہاں! میرا یہی نام ہے۔۔۔ روشی۔۔۔"

"روشی کو جہنّم میں جھونکو۔۔۔ ہاں تو مس تھیلما۔۔۔ مسٹر داؤد کی دوسری بیوی کی کیا عمر ہو گی!"

"کیوں؟ میرا خیال ہے کہ وہ پچیس سال سے زائد عمر کی نہیں ہیں۔ لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

”کچھ نہیں! میں بچپن ہی سے سوچتا آیا ہوں کہ اگر کسی مالدار بوڑھے کی نوجوان بیوی اپنے اوپر عاشق ہو جائے تو بقیہ زندگی بڑے آرام سے کٹ سکتی ہے!“

تھیلما حیرت سے اسے گھورنے لگی۔

”مس تھیلما۔۔۔ان کا نام کیا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”شاداں۔۔۔ مگر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”شاداں۔۔۔! بڑا پیارا نام ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”مسٹر عمران آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”یہ بہت فرسٹ کلاس باتیں ہیں مس تھیلما! اگر عاشق ہونا بُری بات ہوتی تو دنیا کی متمدن ترین قومیں اپنا عشقیہ لٹریچر فخریہ انداز میں نہ پیش کرتیں۔“

”مسٹر عمران میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔“

”یہ میری بدنصیبی تھی۔۔۔ ورنہ۔۔۔ مس تھیلما۔۔۔ جس طرح ہمارے

باپ دادا عشق کرتے چلے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی اس کا حق رکھتے ہیں آپ نے شاید۔۔۔ ہیر لیلی۔۔۔ اور رانجھا مجنوں نہیں پڑھی۔۔۔ ضرور پڑھیے۔۔۔ پھر آپ بھی عشق کی قائل ہو جائیں گی۔۔۔ فی الحال میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میرے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔"

"آپ نے مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"ارے واہ! اُلجھن کیسی۔۔۔ اگر آپ نہیں چاہتیں تو سمجھا دیجیے گا شاداں کو۔۔۔ یہی کہ مجھ پر عاشق نہ ہوں۔۔۔ کمال کر دیا۔۔۔ کوئی زبردستی تھوڑا ہی ہے۔۔۔ ویسے اگر عاشق ہو جاتیں تو اچھا تھا۔۔۔ خیر ہٹایئے۔۔۔ میں سیٹھ داؤد کے لئے مُفت کام کروں گا۔۔۔ دِن رات یہیں قیام رہے گا۔ محض آپ کی خاطر۔۔۔ آپ روشی کی دوست ہیں نا!"

(۹)

سیٹھ داؤد مضطربانہ انداز میں عمران کی طرف مُڑا۔۔۔ اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا باہر جھانک رہا تھا۔

"آپ میرے لیے کیا کر سکیں گے؟" داؤد نے پوچھا۔

"میں۔۔۔ ٹھہریئے۔۔۔ پہلے یہ بتایئے۔۔۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

"کسے؟"

"جس سے آپ خائف ہیں؟"

”میں۔۔۔کسی سے خائف نہیں ہوں۔“

”پھر آپ کو ایک پرائیویٹ سُراغ رساں کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟“

داؤد کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر ڈھکی چھپی ذہنی اُلجھن موجیں مارنے لگی تھی۔

”کیا آپ اسے نہیں جانتے۔۔۔؟“ داؤد کپکپاتی ہوئی آواز میں آہستہ سے بولا۔

”بھلا میں کیا جانوں!“

”پھر آپ نے اُلّو۔۔۔اور رات کے شہزادے کا حوالہ کیوں دیا تھا؟“

”آہا۔۔۔ وہ۔۔۔“ عمران بچّوں کی طرح کھکھلا کر ہنس پڑا۔ ”وہ تو میرے دوست مجھے اُلّو کہتے ہیں اور میں خوش ہوتا ہوں۔۔۔ کیونکہ اُلّو کا شاعرانہ نام شہزادہ شب ہے!“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں جناب۔۔۔ خیر تو آپ بھی اس کے متعلّق کچھ نہ

کچھ جانتے ہیں۔" داؤد نے کہا۔ "اگر آپ اُسے پہچانتے بھی ہوں تو میں آپ کو مالا مال کر سکتا ہوں۔۔۔ تین لاکھ روپے کم نہیں ہوتے۔۔۔ میں نے اس کے لئے تین لاکھ روپے الگ کر دیے ہیں۔"

"کیا آپ اسے نہیں پہچانتے؟" عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!" دفعتاً داؤد کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ "اگر میں اسے پہچانتا ہوتا تو وہ آج زمین پر نہ ہوتا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔۔۔ مگر آپ اس سے خائف کیوں ہیں!" عمران نے پوچھا۔

"اس کا تعلّق صرف میری ذات سے ہے۔"

"خیر میں سمجھا۔۔۔ مجھے علم ہے کہ وہ ایک بلیک میلر ہے!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"اور آپ اسے پہچانتے ہیں۔" داؤد نے مُضطربانہ انداز میں کہا۔

"نہیں جناب۔۔۔اسے شاید کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔"

"لیکن تھیلما کہہ رہی تھی کہ آپ اسے پہچان لیں گے۔"

قبل اس کے کہ عمران کچھ کہتا کسی نے دروازہ پر دستک دی اور ساتھ ہی ایک نسوانی آواز آئی۔ "کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"

عمران نے داؤد کی بوکھلاہٹ محسوس کرلی۔ داؤد نے عمران کی طرف دیکھا جو بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر صرف ایک چادر لپیٹے بیٹھا تھا۔

"موقع نہیں ہے۔" داؤد نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" سُریلی آواز درشت ہو گئی۔ اور داؤد دروازے کی طرف جھپٹا۔ دروازے میں تھوڑا سا درہ کر کے آہستہ سے بولا۔ "یہاں ایک اجنبی ہے اور ایسی حالت میں ہے کہ تمہارا آنا مناسب نہیں۔"

"کیسی حالت میں؟" عمران نے سُریلی آواز پھر سُنی۔

"اوہ۔۔۔ وہ اس کے کپڑے بھیگ گئے ہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہی ہے۔۔۔ روپ

نگر والی فیکٹری کا نیا منیجر۔۔۔ آج یہاں آیا تھا۔۔۔ بارش میں کپڑے بھیگ گئے۔۔۔ اور اب اس کے جسم پر صرف ایک چادر ہے۔"

"بہانہ۔۔۔ عذر لنگ!" سُریلی آواز پھر تیز ہو گئی۔ "وہ تھیلما کی بچّی اب یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"ارے یہاں تھیلما نہیں ہے! کیوں خواہ مخواہ۔۔۔" داؤد گڑگڑایا۔

"تو پھر کسی اجنبی کی موجودگی بھی بکواس ہے۔"

"نہیں محترمہ یہ حقیقت ہے!" عمران نے ہانک لگائی۔

پتہ نہیں پھر کیا ہوا۔۔۔ اچانک سیٹھ داؤد آواز کے ساتھ دروازہ بند کر کے عمران کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر خفت آمیز مُسکراہٹ تھی۔

"یہ عورتیں بھی بڑی شکی ہوتی ہیں۔" داؤد نے کہا۔ "دیکھا آپ نے!"

"جی ہاں۔۔۔ کیا بیگم صاحبہ تھیں؟"

داؤد اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "حالانکہ وہ ایک ماڈرن عورت ہے! لیکن

ذہنیت ہزار سال پرانی رکھتی ہے۔۔۔ اسے تھیلما کی موجودگی پسند نہیں! لیکن تھیلما کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا۔۔۔ آں۔۔۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ اب ہمیں پھر اصل موضوع کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔"

"یقیناً۔۔۔یقیناً۔۔۔" داؤد میز کے گوشے سے ٹکتا ہوا بولا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کے مہمان خانے ہی میں مقیم ہے۔" عمران نے کہا۔

"اوہ کیسے معلوم ہوا آپ کو؟"

"بس معلوم ہو گیا شہر میں ہونے والی ساری انوکھی باتوں کا مجھے علم رہتا ہے۔"

"تب پھر آپ اس کی شخصیت سے بھی واقف ہوں گے۔۔۔ مجھے یقین ہے۔" داؤد بولا۔

”نہیں! لیکن اب میں اس سے جان پہچان پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“

”دیکھیے! آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔“ داؤد نے کہا۔ ”اگر آپ مجھے اس کی شخصیت سے آگاہ کر دیں تو کل صُبح تک تین لاکھ کے مالک بن سکتے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے جناب! وہ آپ کے مہمان خانے میں مقیم ہے اور آپ اس کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔“

”ہاں یہ حقیقت ہے! مہمان خانے میں اس وقت بارہ آدمی ہیں۔۔۔ اور ان میں سے کوئی ایک وہی ہے۔“

”لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ وہ آپ کے مہمان خانے ہی میں موجود ہے۔“

”خود اسی نے مجھے ایک خط کے ذریعہ اس سے آگاہ کیا ہے۔“

”اس خط کے ساتھ اُلّو کی تصویر بھی رہی ہو گی۔“

”اوہ۔۔۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں!“ سیٹھ داؤد نے حیرت سے کہا۔

عمران سر ہلا کر بولا۔ ”جی ہاں! میں جانتا ہوں! اچھا۔۔۔ کیا وہ آپ کو کسی معاملے میں بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔“

”ہاں آں۔۔۔۔ چلیے یہی سمجھ لیجیے۔“

”مسٹر داؤد۔۔۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔ آخر اس نے آپ ہی کے یہاں کیوں قیام کیا ہے؟“

”محض مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے! یہ جتانے کے لئے کہ وہ ہر حال میں مجھ سے اپنے مطالبات منوا سکتا ہے۔۔۔ میرے قریب رہ سکتا ہے لیکن میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔“

”کیا حقیقتاً اس کا تعلّق جنوبی افریقہ سے ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”میں اس کے بارے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ ویسے اس وقت جنوبی افریقہ کے چھ تاجر میرے مہمان خانے میں مقیم ہیں۔“

”کیا مہمان خانہ صرف جنوبی افریقہ کے تاجروں کے لئے ہے؟“

”نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔۔۔ چھ تاجر ایسے بھی ہیں جنہوں نے کبھی جنوبی افریقہ کی شکل بھی نہ دیکھی ہو گی۔“

”کیا آپ کرار نامی کسی آدمی سے واقف ہیں؟“

”کیوں؟۔۔۔ نہیں تو۔۔۔ یہ نام میرے لئے نیا ہے۔“

”آپ فگارو کے منیجر کو جانتے ہیں؟“

”نہیں میں نہیں جانتا لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”بس یونہی۔۔۔ میں نے سوچا۔۔۔“ عمران داؤد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”ہاں! کیا آپ میرے سوچنے پر بھی پابندی لگا سکتے ہیں؟“

”مطلب یہ کہ اس بات کے سوچنے کی کوئی وجہ ہو گی۔“

”جی ہاں! بالکل اسی طرح کہ میں آپ سے کرار کی باتیں کیوں دریافت کر رہا ہوں۔ کرار کو آپ نہیں جانتے۔۔۔ فگارو کے منیجر سے بھی واقف نہیں۔ لیکن آپ فگارو کے منیجر کے متعلّق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

ایسے کام نہیں چلے گا! داؤد صاحب! آپ کی مقصد براری اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کریں۔"

"اور آپ مجھ سے سب کچھ چھپاتے رہیں۔" داؤد مُسکرایا۔

"میں کیا چھپا رہا ہوں؟" عمران نے حیرت ظاہر کی۔

"آپ اس بلیک میلر کو جانتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں قطعی نہیں جانتا۔"

"پھر آپ نے اس سلسلہ میں فگارو کے منیجر کا نام کیوں لیا؟"

"آہا۔۔۔ مسٹر داؤد۔۔۔ تو آپ فگارو کے منیجر کو جانتے ہیں!"

"ہاں میں جانتا ہوں لیکن آپ اس سلسلے میں اس کا نام کیوں لے رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ مجھے یہ بات اسی نے بتائی تھی۔۔۔ کہ ایک خطرناک آدمی آپ کے مہمان خانے میں مقیم ہے۔"

"اوہ۔۔۔" داؤد مضطربانہ انداز میں اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"لیکن آپ کو اس نے بتایا کیوں؟" داؤد نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

عمران چند لمحے اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "کرار فگارو کا حصّہ دار تھا۔ کل کسی نے اسے پُر اسرار حالات میں قتل کر دیا۔۔۔ کرار میرا موکل تھا لہٰذا مجھے فگارو کے منیجر سے پوچھ گچھ کرنی پڑی۔ اس نے بتایا کہ کرار ایک خطرناک آدمی کے پیچھے تھا۔۔۔ اس نے فگارو کے منیجر سے کہا تھا کہ اگر وہ اس آدمی پر قابو پا گیا تو کافی دولت پیدا کر سکے گا۔۔۔ اور منیجر نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ خطرناک آدمی آپ کے مہمان خانے ہی میں مقیم ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" داؤد نے گردن جھٹک کر کہا۔ "فگارو کے منیجر کو میں ایک دوسری حیثیت میں جانتا ہوں۔"

"کیا آپ مجھے بتائیں گے؟"

"میں نہیں سمجھتا کہ میں اس واقعہ کو کیوں چھپاؤں۔"

”عقلمندی کے خلاف ہے جناب!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”فگارو والے شراب کے اسمگلنگ کرتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے دھوکا دے کر میرے کچھ لانچ استعمال کئے تھے۔ آپ شاید نہ جانتے ہوں کہ بندر گاہ کے قریب میرے پچھتر عدد لانچ رہتے ہیں۔ میں نے فگارو کے منیجر کو اس سلسلے میں بہت لتاڑا تھا۔“

”کیا آپ نے اس اسمگلنگ کے سلسلہ میں کرار کا نام کبھی نہیں سنا؟“

”نہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا۔“

عمران کچھ سوچنے لگا۔۔۔ پھر اس نے میز پر سے اپنا واٹر پروف پرس اٹھایا اور اس میں سے چند تصویریں نکال کر سیٹھ داؤد کے سامنے ڈال دیں۔ ”کرار یہی ہے۔۔۔“ اس نے کہا۔۔۔

”ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسے کبھی دیکھا ہو۔“

”آہا۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ مگر“ داؤد خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھنے

لگا۔

”کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں آں۔۔۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ اس کا نام کرار تھا۔۔“

”کیوں۔۔۔۔ آپ اس کو کسی دوسرے نام سے بھی جانتے ہیں۔“

”یہ تو مجھ سے اکثر ملتا رہا ہے۔۔۔ مگر اس نے مجھے اپنا نام پارکر بتایا تھا۔۔ اور یہ بھی میرے لانچ کسی غیر قانونی کام کے سلسلے میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ فگارو کا حصّہ دار تھا تو پھر ہو سکتا ہے کہ وہ بھی شراب کی اسمگلنگ ہی کے چکّر میں رہا ہو۔“

”ہاں کہتے چلیے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”غالباً آپ نے لانچ دینے سے انکار کر دیا ہو گا۔“

”قطعی۔۔۔! میں بہت محتاط آدمی ہوں۔۔۔! اور ہاں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ جنوبی افریقہ میں بھی رہ چکا ہے۔“

"وہ آخری بار آپ سے کب ملا تھا؟"

"غالباً پچھلے ہفتے میں۔۔۔" سیٹھ داؤد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرے خدا! اب سارے معاملات خود بخود صاف ہوتے جا رہے ہیں۔ شاید مرنے والا اس خطرناک آدمی کو پہچانتا تھا کیونکہ اس نے مجھے دھمکی دی تھی۔ جب میں نے لانچ دینے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ وہ مجھے دیکھ لے گا کیونکہ میں نے ایک بہت بڑے مجرم کو اپنے مہمان خانے میں ٹھہرا رکھا ہے۔ اس وقت مجھے اس بلیک میلر کا خط نہیں ملا تھا۔ لہٰذا اس کی طرف خیال بھی نہیں گیا۔ بہر حال مجھے پارکر کی اس بے تکی دھمکی پر غصّہ آ گیا اور میں نے اسے دھکّے دے کر نکلوا دیا۔۔۔ یقیناً مسٹر عمران۔۔۔ وہ اس بلیک میلر کو پہچانتا تھا۔۔۔ اسی لئے اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔۔۔ وہ آدمی جس کا نشان اُلّو ہے۔۔۔ انتہائی سفّاک اور بے درد آدمی ہے۔"

داؤد خاموش ہو گیا۔ عمران نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

(۱۰)

داؤد پریشان تھا۔ وہ جلد از جلد اس قضیے کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے عمران کو یہ نہیں بتایا کہ وہ اس بلیک میلر کو پہچاننا کیوں چاہتا ہے۔ عمران کو اس کے یہاں رہتے ہوئے تین دِن ہو چکے تھے اور اب تک اس نے بظاہر دِن بھر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ کیا تھا۔

اس نے سچ مچ شاداں کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

شاداں بڑی پُرکشش عورت تھی۔ خدوخال تیکھے تھے اور ان کی مناسبت سے

وہ تھی بھی تیز مزاج۔۔۔ عمران اسے ابھی تک اپنی طرف متوجّہ نہیں کر سکا تھا۔۔۔ تھیلما عمران کی حرکتیں دیکھتی اور سر پیٹ کر رہ جاتی۔ وہ روشی کی دوست تھی اور اسے عمران کے متعلّق روشی ہی سے سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔

دوسری طرف داؤد کی لڑکی شاہدہ سخت متحیّر تھی۔ حالات ہی ایسے تھے۔ عمران اس خاندان میں بڑے عجیب انداز سے داخل ہوا تھا۔۔۔ اور پھر کہاں داؤد کی وہ دھمکی اور کہاں یہ کہ عمران وہیں رہنے ہی لگا تھا وہ ایک بارش میں بھیگے ہوئے آدمی کی حیثیت سے پناہ لینے کے لئے وہاں آیا تھا پھر داؤد نے اسے نکالنا چاہا۔۔۔ بات اتنی بڑھی کہ داؤد نے پولیس کو بلانے کی دھمکی دی۔۔۔ پھر دوسری صُبح داؤد ہی کی زبان سے سنا گیا کہ وہ اس کی ایک فیکٹری کا نیا منیجر تھا لیکن یہ عجیب وغریب بات پھیلنے نہیں پائی۔ اس رات شاہدہ کے ساتھ اس کی دو سہیلیاں تھیں جو بارش تھمتے ہی اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں۔ تھیلما کی راز دار ہی تھی۔۔۔ شاداں کو اس واقعے کی اطلاع ہی نہ ہو سکی۔۔۔ رہ گئی

شاہدہ تو اسے داؤد نے منع کر دیا تھا کہ وہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرے لیکن شاہدہ کو اصل واقعات سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

وہ سب ایک ہی میز پر کھانا کھاتے۔۔۔ کھانے کے بعد اسٹڈی میں قہوہ نوشی کے لئے نشست ہوتی اور کبھی کبھار وہاں تاش بھی ہونے لگتا۔ ویسے داؤد بڑا زندہ دل آدمی تھا۔ ہر قسم کی تفریح میں حصّہ لیتا اور یہ بات قطعی بھول جاتا کہ وہ ایک معمّر آدمی ہے اور عمر کی مناسبت سے اسے سنجیدہ بھی ہونا چاہیے۔

اکثر جنوبی افریقہ کے چار مہمان بھی اُن میں آ بیٹھتے۔۔۔ ان کے داؤد سے بہت قریبی تعلقات تھے یہ چاروں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ ان میں عبد الرحمان تھا۔۔۔ بھاری بھر کم جسامت والا۔۔۔ عمر پچاس سے تجاوز کر چکی تھی اور اس کے بڑے سے چہرے پر رومن نیرو کٹ مونچھیں بہت بُری لگتی تھیں۔ شیو کرتے وقت نچلے ہونٹ کے نیچے تھوڑے سے بال چھوڑ دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نسلاً خالص عرب ہے مگر داؤد نے عمران کو بتایا تھا کہ اس کی دادی نیگریس تھی۔

دوسرا خلیل خاور تھا اس کی عمر تیس سے زیادہ نہ ہو گی۔ کافی پُر کشش شخصیت کا مالک تھا لیکن اسے بات بات پر ہنسی آتی تھی اسی لئے وہ پُر کشش ہونے کے باوجود بھی دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتا تھا۔

تیسرا جوّاد اکرم تھا۔۔۔ بہت ہی کم گو اور دوسروں کی باتیں غور سے سُننے والا۔۔۔ خود اس کی معمولی سی بات بھی کافی گہرائی رکھتی تھی۔ عمران نے اسے ابھی تک دانت کھول کر ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ جب دوسرے قہقہے لگاتے تو اس کے ہونٹوں میں خفیف سا پھیلاؤ پیدا ہو جاتا۔ لیکن آنکھیں ناچتی ہوئی معلوم ہوتیں۔ اگر اس کے ہونٹوں کو نظر انداز کر کے آنکھوں ہی کی طرف دیکھا جاتا تو عالمِ خیال میں اس کے قہقہوں کی گونج ضرور سنائی دیتی۔ یہ بھی جوان العمر ہی تھا اس کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہوتیں۔

چوتھا ہابیل خلیل تھا۔۔۔ یہ یہودی تھا۔۔۔ لیکن داؤد کا خیال تھا کہ وہ عادات و خصائل کے اعتبار سے بہت ستھرا آدمی ہے۔۔۔ ویسے وہ بلّیوں کی سی

آنکھیں رکھتا تھا جن کی رنگت چہرے کا زاویہ بدلتے ہی تبدیل ہو جایا کرتی تھی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت عورتوں کو ہنسانے میں صرف کرتا تھا۔۔۔ حالانکہ وہ جو بات بھی کہتا اس میں تصنّع اور بھونڈے پن کی جھلک ضرور ہوتی۔

اس وقت بھی یہ چاروں رات کے کھانے کے بعد اسٹڈی میں موجود تھے۔ قہوہ ختم کر کے ان میں سے کئی اُٹھ گئے۔ شاداں اور ہابیل خلیل پنگ پانگ کھیلنے چلے گئے۔ کچھ وہیں تاش کھیلتے رہے۔ عبد الرحمان اور داؤد کسی مسئلے پر اُلجھ پڑے تھے اور ان میں بڑی گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ عمران نے اسی کمرے کی راہ لی جہاں پنگ پانگ کی میز تھی۔ یہاں کھیل شروع ہو چکا تھا۔ کسی تیسرے کی عدم موجودگی کی بنا پر وہ خود ہی اپنے پوائنٹ گن رہے تھے۔ عمران نے محسوس کیا کہ ہابیل کو اس کی موجودگی گراں گزر رہی ہے۔ مگر عمران کی نظریں تو شاداں کے چہرے پر تھیں اور شاداں ایسی لاپرواہ نظر آ رہی تھی جیسے اسے کسی تیسرے آدمی کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

شاداں اسے اپنا ملازم سمجھتی تھی۔ وہ کچھ اسی قسم کی عورت تھی۔۔۔

مغرور۔۔۔ بد دماغ۔۔۔ اور تنگ نظر۔۔۔

عمران میز کے قریب کھڑا ہو کر کھیل دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف سرکتا ہی جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ میز پر نہ جانے کیا دیکھنے کے لئے اتنا جھکا کہ اس کا سر شاداں کی پھینکی ہوئی گیند کی زد پر آ گیا۔

"آپ بالکل گدھے ہیں کیا؟" شاداں چیخی۔

"اوہ۔۔۔!" عمران بوکھلا کر سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

"معافی چاہتا ہوں۔" شاداں جھنجھلاہٹ میں ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"پیچھے ہٹئے۔۔۔"

عمران دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ کسی فوج کی طرح تنا کھڑا ہوا تھا۔۔۔ لیکن شاداں یہ نہ دیکھ سکی کہ اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔۔۔ وہ پھر کھیل میں مصروف ہو گئی تھی۔۔۔ عمران اسی طرح کھڑا بسورتا اور آنسو بہاتا رہا۔ اس وقت وہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آ رہا تھا۔۔۔ پھر

وہ کنارے پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر باقاعدہ طور پر رونے لگا۔۔۔ مگر آواز سسکیوں سے زیادہ نہیں بڑھی۔۔۔ ویسے وہ سسکیاں ہی اتنی زور دار تھیں کہ گیند اور ریکٹوں کی "کھٹا کھٹ" ان میں دب کر رہ گئی تھی۔

کھیل بند ہو گیا۔

پہلے وہ دونوں دُور ہی سے عمران کو دیکھتے رہے پھر قریب آ گئے۔۔۔ لیکن وہ کرتے کیا۔۔۔ بس کھڑے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ عمران کی سسکیاں اور ہچکیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ان دونوں کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ شاداں اتنی خفیف ہوئی تھی کہ اس کی پیشانی کی وہ ہلکی سی سلوٹ بھی غائب ہو گئی۔ جو تقریباً ہر وقت نظر آیا کرتی تھی اور محض اس سلوٹ کی بنا پر اس کے خدوخال مُستقل طور پر تیکھے معلوم ہونے لگے تھے عمران کے دونوں ہاتھ بدستور چہرے پر جمے رہے۔۔۔ ان دونوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف بے بسی سے دیکھا اور چپ چاپ وہاں سے کھسک

گئے! عمران راہداری میں ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔ جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔

عمران نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔۔۔ ہونٹوں پر ایک شریر سی مُسکراہٹ تھی اور آنکھیں بالکل خشک تھیں۔

اس نے وہ ریکٹ چٹکی سے پکڑ کر اٹھایا جس سے ہابیل کھیل رہا تھا اور جیب سے پرانا اخبار نکال کر اسے اس میں لپیٹ لیا۔

اور پھر اس کے بعد چیونگم چبانا بھی شاید فرائض ہی میں داخل تھا۔

(۱۱)

دوسری صُبح ناشتے کی میز پر عمران نہیں تھا اور مہمانوں میں سے صرف ہابیل وہاں نظر آرہا تھا اور وہ شاداں کے دائیں طرف تھا۔ بائیں طرف کی کرسی خالی تھی۔ یہاں کھانے کی میز پر کسی کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا۔

عمران دیر سے پہنچا۔ داؤد نے سر کے اشارے سے اسے خوش آمدید کہی بقیہ لوگ اسے غور سے دیکھنے لگے۔ عمران کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رات بھر جاگتا رہا ہو۔ آنکھیں کچھ روئی روئی سی تھیں۔ اور ان میں سُرخ ڈورے بہت واضح تھے۔

عمران شاداں کی دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس طرح اچھل پڑا جیسے بے خیالی میں اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔۔۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے شاداں کی طرف دیکھا اور اٹھ کر دوسری کرسی پر جا بیٹھا۔ شاداں اسے برابر گھورتی رہی۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟" داؤد نے پوچھا۔

"اوہ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ بات یہ ہے کہ اس وقت میرا دماغ۔۔۔" وہ اپنے سر پر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ "یعنی کہ میرا دماغ۔۔۔۔ کچھ یوں یوں ہو رہا ہے۔۔۔ کیا کہتے ہیں اسے۔۔۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔۔۔ اور۔۔۔ ارے۔۔۔ کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔!" اس نے احمقانہ انداز میں زبردستی ہنسنے کی کوشش کی۔۔۔ داؤد کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر عمران نے بھی ہاتھ مارنا شروع کر دیا۔ شاداں کبھی کبھی کنکھیوں سے اسے دیکھ لیتی تھی!

ہابیل صرف کافی پی رہا تھا اور اس وقت اس کی توجّہ کا مرکز داؤد کی لڑکی شاہدہ تھی۔ وہ اسے اپنے چٹکلوں اور لطیفوں سے ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا اچانک

وہ عمران کی طرف پلٹ پڑا۔

”آپ کل رات رونے کیوں لگے تھے!“ اس نے ہنس کر پوچھا۔

”مم۔۔۔میں!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں تو مسٹر ابابیل۔۔۔!“

ابابیل کی برجستگی پر سب لوگ بے تحاشہ ہنس پڑے۔ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اور ہابیل اُردُو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لہٰذا وہ سمجھا شاید وہ لوگ اس کی بات پر ہنس پڑے ہیں۔ لفظ ”ابابیل“ اس کے پلّے ہی نہیں پڑا تھا بہر حال دوسروں کو محظوظ ہوتے دیکھ کر وہ بھی ان کی ہنسی میں شامل ہو گیا۔

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے چھت ہی گر پڑے گی۔ عمران البتّہ بالکل خاموش تھا اور اس طرح گھبرا گھبرا کر اُن کی صورتیں تک رہا تھا۔ جیسے اس کی ہنسی اُڑ رہی ہو۔ اس کی اس حرکت پر قہقہوں کا دوسرا دور شروع ہو گیا اور اس دُور میں سب کے ہاتھ پیٹوں پر پہنچ گئے۔ داؤد کو تو اُٹھ ہی جانا پڑا۔۔۔وہ قہقہے لگاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اس کے ساتھ ہی عمران بھی اُٹھ کر گیا تھا۔

ایک راہداری میں عمران نے اسے جالیا۔

”آپ نہ جانے کیا بلا ہیں!“ داؤد اس کی طرف مُڑ کر مضمحل آواز میں بولا۔ وہ قہقہے لگاتے لگاتے بالکل سست پڑ گیا تھا چونکہ اعصابی خلل کا مریض تھا اس لئے اس کا چہرہ اس وقت بالکل چقندر ہو رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ پچھلی رات آپ کو پھر کوئی دھمکی ملی ہے!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے؟“ داؤد بھی یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

”یوں معلوم ہوا کہ آپ پچھلی رات اپنے کمرے میں ٹہلتے رہے ہیں۔“

”جی ہاں! آپ کا خیال درست ہے۔“ داؤد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”مجھے پھر دھمکی ملی ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ اس عمارت میں کسی نہ کسی کو قتل کر دے گا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ قتل اس کی چیرہ دستی کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہو گا۔ اس نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی دلیری اور

لاپروائی کی سب سے بڑی مثال یہی ہے کہ اس نے ایک آدمی کو قتل کر کے دِن دہاڑے اس کی لاش ہوم سیکرٹری سر سلطان کی کمپاؤنڈ میں پھینک دی۔"

"اچھاتو داؤد صاحب! آپ مجھے اس عمارت میں قتل ہو جانے دیجیے۔" عمران نے بڑے بھولے پن سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ قتل کا مطلب نہیں سمجھتے!" عمران نے اپنی گردن پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "یعنی کہ ٹخ۔۔۔"

"میں نہیں سمجھا۔۔۔ صاف صاف کہیے!"

"اب کہیے تو اپنے ہاتھ ہی سے اپنی گردن ریت کر آپ کو قتل کا مطلب سمجھا دوں!" عمران نے جھلّاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"آپ کیوں قتل ہونا چاہتے ہیں؟" داؤد نے متحیّرانہ سوال کیا اور پھر اپنے اس حماقت آمیز سوال پر شرمندہ ہو کر سر کھجانے لگا۔ عمران کی حماقتیں اکثر

دوسروں کو بھی احمق بنادیتی تھیں۔

"دیکھیے! مسٹر داؤد! مگر خیر۔۔۔اس بات کو یہیں ختم کر دیجیے۔" عمران نے کہا"میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ کو وہ کیوں بلیک میل کر رہا ہے؟ مگر یہ تو آپ کو بتانا ہی پڑے گا کہ وہ آج کل آپ سے کیا چاہتا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں!" داؤد اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔"اب وہ حد سے بڑھ رہا ہے۔وہ چاہتا ہے۔۔۔!" داؤد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ یہ بھی نہیں بتانا چاہتے!"

"وہ چاہتا ہے کہ اس سے شاہدہ کی شادی کر دی جائے!"

"یعنی آپ کی صاحبزادی کی!"

"جی ہاں!"

"تب تو مسٹر داؤد! آپ اسے ہر حال میں پکڑ لیں گے۔۔۔کیونکہ یہ شادی ہو اسے تو ہوگی نہیں۔شادی کے لئے اسے سامنے آنا پڑے گا۔"

”وہ سب کچھ کر سکتا ہے!“ داؤد نے مُضطربانہ انداز میں کہا۔”شادی ہو جانے کے بعد میں اس کا کیا بگاڑ سکوں گا۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی مسٹر داؤد!“

”خود میں بھی نہیں سمجھ سکتا کہ کیا چکر ہے۔ ویسے شاہدہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اور میرے بعد وہی میری وارث ہو گی۔۔۔ اس طرح وہ میری املاک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر شاداں بھی تو ہے اور میں بھی زندہ ہوں۔۔۔ شادی کے لئے اسے ہر حال میں سامنے آنا پڑے گا۔“

”وہ اب تک آپ سے کتنی رقم وصول کر چکا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”بارہ لاکھ۔۔۔“

"ارے خدا غارت کرے!“ عمران دانت پیس کر بولا۔”پتہ نہیں کمبخت انکم ٹیکس ادا کرتا ہے یا نہیں۔“

داؤد خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

عمران نے پوچھا۔ ”آپ کو ان چاروں میں سے کسی پر شُبہ ہے جو کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔“

”نہیں! میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”خیر ہو گا!۔۔۔ہاں تو مسٹر داؤد۔۔۔“

”شش۔۔۔“ داؤد آہستہ سے بولا۔ ”کوئی ادھر آ رہا ہے۔“

عمران کی نظر راہداری کے موڑ کی طرف اُٹھ گئی۔ لیکن آنے والا کوئی ملازم تھا۔۔۔ وہ کسی کا وزٹنگ کارڈ لایا تھا۔ داؤد نے وزٹنگ کارڈ پر نظر ڈال کر کہا۔ ”کیپٹن فیاض۔۔۔“

”انہیں بٹھاؤ!“ عمران نے ملازم سے کہا اور وہ چلا گیا۔ پھر عمران داؤد سے بولا۔ ”اب کھیل بگڑنے کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ فگارو کے منیجر نے اسے بھی وہی کہانی سنائی ہے۔ بہر حال کیپٹن فیاض کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں یہاں ہوں۔ ورنہ وہ آپ کے پیچھے پڑ جائے گا۔“

”کیوں؟“ داؤد عمران کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”آپ نے اکثر جاسوسی ناولوں میں پڑھا ہو گا کہ سرکاری آدمی پرائیویٹ سُراغ رسانوں سے اللہ واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔“

داؤد چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اگر مجھے تھیلما پر اعتماد نہ ہوتا تو۔۔۔“

”ہاں ہاں! تو آپ مجھے شوٹ کر دیتے۔۔۔ پھانسی پر چڑھا دیتے۔“ عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”جایئے مجھے یقین ہے کہ اس کی رہنمائی فگارو کے منیجر ہی نے کی ہو گی۔۔۔ کرار کا قتل۔۔۔ سمجھتے ہیں نا۔۔۔“

داؤد آگے بڑھ گیا اور عمران پھر اُسی کمرے کی طرف لوٹ پڑا جہاں سے اُٹھ کر گیا تھا۔

راہداری ہی میں شاداں سے ملاقات ہو گئی جو تنہا تھی۔ عمران کو دیکھ کر وہ رُکی اور مُسکرا کر بولی۔ ”ابابیل والا لطیفہ تو خوب رہا۔“

”اوہ۔۔۔ میں معافی چاہتا ہوں!“ عمران نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔ ”ابھی

میں نے سیٹھ صاحب سے لوگوں کے ہنسنے کی وجہ پوچھی تھی۔ تب انہوں نے بتایا۔ بات دراصل یہ ہے کہ مجھے نام ٹھیک سے یاد نہیں رہتے۔ بہر حال میں عزازیل صاحب سے معافی مانگ لوں گا۔"

"عزازیل نہیں ہابیل!" شاداں پھر ہنس پڑی۔

"ارے۔۔۔ اوہ۔۔۔" عمران احمقانہ انداز میں اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"میرے ساتھ آؤ۔۔۔" شاداں آگے بڑھتی ہوئی آہستہ سے بولی۔

یہ عمارت کافی طویل و عریض تھی۔ اس میں تقریباً چوبیس کمرے تھے۔۔۔ وہ دونوں بلیرڈ روم میں آئے۔ یہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

"رات تم رو رہے تھے۔۔۔" شاداں نے کہا۔

عمران کے چہرے پر شرم کی سُرخی دوڑ گئی۔۔۔ وہ اپنے چہرے پر جذباتی تغیّرات کے آثار پیدا کرنے کا ماہر تھا۔ اس نے سر جھکایا۔۔۔ کچھ بولا نہیں۔۔۔

”مجھے اپنے رویّے پر شرمندگی ہے۔“ شاداں نے آہستہ سے کہا۔

عمران کی آنکھوں میں پھر آنسو امنڈ آئے۔ اور گالوں پر بہنے لگے اور ساتھ ہی وہ بڑبڑانے لگا! ”میں غریب آدمی ہوں۔۔۔ ایک ننّھا سا بچّہ ہوں۔۔۔ کوئی بھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔۔۔ میں مر جاؤں گا۔۔۔ بس کسی دِن مر جاؤں گا!“

”کیا بات ہے۔۔۔!“ شاداں نے نرم لہجے میں کہا۔ ”مجھ سے کہو۔۔۔ تمہیں کیا تکلیف ہے؟“

عمران اس کے سوال کو نظر انداز کر کے بڑبڑاتا رہا۔ ”میں نے پچھلی ہی رات کو سوچا تھا کہ خودکُشی کر لوں۔۔۔ کر لیتا۔۔۔ مگر مجھے یاد آ گیا کہ ابھی مجھے ایک آدمی کا قرض ادا کرنا ہے۔“

شاداں کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ اس جملے پر قہقہے لگائے۔۔۔ یا اظہارِ ہمدردی کرے۔۔۔ عمران آنسو بہا بہا کر بکتا رہا۔۔۔ ”کل دوپہر۔۔۔ میں نے

خواب دیکھا تھا۔۔۔ میں اکثر خواب دیکھتا رہتا ہوں۔۔۔ میں نے دیکھا کہ
میں ایک ننّھا سا بچّہ ہوں۔۔۔ آپ بھی ایک ننھّی سی بچّی ہیں اور ہم دونوں
ایک وسیع جنگل میں دوڑ رہے ہیں۔ آپ تھک کر گر گئیں۔۔۔ میں آپ کو
اُٹھا کر جھیل کے کنارے لے گیا۔ وہاں چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔۔۔
اور ایک چاندی کی پری جھیل میں نہا رہی تھی۔۔۔ اس نے ہماری طرف
چاندی کے پانی کے چھینٹے پھینکے۔۔۔ پھر میں دوسرا خواب دیکھنے لگا۔" عمران
سر جھکائے بڑبڑا رہا تھا اور شاداں حیرت سے پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"رات آپ نے میرے خوابوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ بخدا میرا
اب یہی دل چاہتا ہے کہ آدھا گیلن پٹرول پی کر دو چار انگارے نگل جاؤں!"

اس جملے پر بھی شاداں بے تحاشہ ہنس پڑی ہوتی۔۔۔ مگر عمران کے
آنسو۔۔۔ ان میں اب پہلے سے بھی زیادہ روانی پیدا ہو گئی تھی۔

"میں ایک غریب آدمی ہوں۔۔۔!" عمران ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "جان جہاں
نہیں ہوں۔۔۔ کہ تاج بیگم کے لئے ممتاز محل بنوا سکوں۔۔۔ میں یونہی

سسک سسک کر دم توڑ دوں گا۔۔۔مجھے مر جانے دیجیے۔۔۔!"

عمران بڑی تیزی سے نکل گیا اور شاداں منہ کھولے دروازے کی طرف گھورتی رہی!

(۱۲)

فیاض جاچکا تھا اور داؤد اسٹڈی میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔۔۔ عمران کے پیروں کی آہٹ سن کر وہ چونک پڑا۔

"کیا وہ چلا گیا؟" عمران نے پوچھا۔

"آپ کا خیال درست تھا وہ کرار ہی والے چکّر میں یہاں آیا تھا۔۔۔" داؤد نے کہا۔ "آج اس کی تصویر بھی اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس نے مجھے تصویر دکھا کر پوچھا۔ کیا میں نے اُسے کبھی دیکھا ہے۔ میں نے اس کا اعتراف کیا۔۔۔ اور اُسے بتایا کہ میں اُس شکل کے ایک آدمی کو جانتا ہوں لیکن اس کا

نام کرار ہرگز نہیں ہے۔۔۔ پھر اس نے فگارو کے منیجر والی بات بتائی۔۔۔۔ اور اس کا خیال بھی بتایا کہ کرار کا قاتل میرے مہمانوں میں سے کوئی ہے۔۔۔ اس پر مجھے غصّہ آگیا اور جب اُس نے مہمانوں سے سوالات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میرا غصّہ اور تیز ہو گیا۔ میرے اس رویّے پر وہ کچھ نرم پڑا تو میں نے شراب کی اسمگلنگ کی داستان دہرا دی۔۔۔ پھر اور کیا کرتا کسی طرح اُسے ٹالنا ہی تھا۔۔۔ بہر حال میں نے اسے مہمان خانے کی طرف نہیں جانے دیا۔۔۔!"

"تو گویا آپ اسے بچانا بھی چاہتے ہیں۔" عمران نے غصّیلے لہجے میں کہا۔ حالانکہ شاید پندرہ منٹ پہلے وہ اس کی بیوی کے سامنے رو تا رہا تھا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ پولیس اُسے نہیں پکڑ سکتی اور اسے پہچان ہی نہ سکے گی۔ لیکن میرا بیڑا غرق ہو جائے گا۔"

"ہو جانے دیجیے!" عمران جھونک میں بولا۔

”کیا مطلب؟“

”ار۔۔۔ ہپ۔۔۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔۔۔ مگر مسٹر داؤد۔۔۔ فرض کیجئے۔ آپ نے اس کے مطالبات تسلیم کر لئے۔۔۔“

”قیامت تک نہیں کر سکتا۔“ داؤد سانپ کی طرح پھنکارا۔

”میری بات تو سنیئے! میں فرض کر رہا ہوں۔ ہاں تو آپ اسے اس کی اطلاع کس طرح دیں گے؟“

”کیسی اطلاع؟“

”اسی کی اطلاع کہ آپ اس کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہیں!“

”تم نے یہ بات بہت دیر میں پوچھی۔“

”پہلے ہی پوچھتا۔۔۔ مگر کیپٹن فیاض آگیا تھا۔“

”مجھے ایک مخصوص دیوار پر ایک مخصوص رنگ سے ایک نشان بنانا پڑے گا۔ بس اسے اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ یہ تدبیر خود اسی نے بتائی ہے۔ یعنی

یہ تدبیر اس نے اپنے خط میں تحریر کی تھی۔"

"آہا تو وہ تحریر تھی۔"

"تحریر نہیں ٹائپ۔۔۔اس نے کسی اخبار سے الفاظ کاٹ کاٹ کر پورا مضمون مرتب کیا تھا۔"

"بڑی محنت کا کام ہے!" عمران بڑبڑایا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا آپ مجھے وہ مخصوص دیوار اور مخصوص رنگ نہیں بتائیں گے۔ غالباً نشان بھی مخصوص ہی ہو گا۔"

"ہاں وہ بھی خاص قسم کا ہے۔"

"تو آپ کوشش کیوں نہیں کرتے۔ شاید اسی طرح ہم اسے پکڑ لیں۔"

"لیکن اگر ناکام رہے تو!" داؤد بولا۔ "نہیں میں اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

"تو پھر مسٹر داؤد! آخر اسے پکڑنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کریں

گے۔"

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں!" داؤد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "حقیقتاً تھیلما سے غلطی ہوئی ہے۔ آپ اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکیں گے۔ آپ اپنا معاوضہ بتایئے اور گھر تشریف لے جایئے۔۔۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ میری زندگی میں تو وہ کامیاب ہو نہیں سکتا۔"

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا مسٹر داؤد جب تک کہ اسے پکڑ نہ لوں۔"

"محض۔۔۔وقت کی بربادی! آپ جا سکتے ہیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" عمران نے غصّیلے لہجے میں کہا۔

"کیا؟" داؤد آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں نہیں جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں آپ کیا بگاڑ لیتے ہیں میرا۔۔۔ کیپٹن فیاض مجھے جھوٹا نہیں سمجھے گا۔" داؤد اس نئے شگوفے پر بوکھلا گیا۔ تھوڑی دیر تک تو اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ وہ خاموشی سے عمران کی طرف دیکھتا

رہااور عمران اب مینٹل پیس پر رکھے ہوئے گلدان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"آپ واقعی بہت چالاک ہیں!" داؤد نے تھوڑی دیر بعد مُسکرا کر کہا۔ "میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔"

"مذاق کر رہے تھے نا۔۔۔ہاہا۔۔۔میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔" عمران نے قہقہہ لگایا اور داؤد بھی اس قہقہے میں شامل ہو گیا۔ مگر اس کا قہقہہ بڑا زہریلا تھا۔

(۱۳)

شام خُنک اور خوشگوار تھی۔ ابھی سورج نہیں غروب ہوا تھا۔ نارنجی رنگ کی دھوپ درختوں کی چوٹیوں پر بسیرا لے رہی تھی۔ داؤد پیلس کے عقبی پارک میں اس وقت بڑی رونق تھی داؤد کے بارہ مہمان اور کچھ شہری دوست جن میں عورتیں بھی شامل تھیں وہاں موجود تھے۔ شام کی چائے وہیں تھی۔ وہ سب چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے پارک کے مختلف حصوں میں نظر آ رہے تھے۔

لیکن عمران سب سے الگ تھلگ تتلیاں پکڑتا پھر رہا تھا۔ بعض لوگ اس کی

اس حرکت پر ہنس رہے تھے۔ لیکن عمران اتنا لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے وہاں اسے دوسروں کی موجودگی کی خبر ہی نہ ہو۔ ایک بار وہ ایک کیاری میں مُنہ کے بل گِر بھی پڑا تھا۔ لیکن اس کا شُغل جاری ہی رہا۔ شاداں اسے بڑی توجّہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

داؤد کی لڑکی شاہدہ ہابیل اور خلیل خاور کے ساتھ تھی۔ عبد الرحمان جوّاد اکرم سے رنگ و نسل پر بحث کر رہا تھا۔ جوّاد اکرم کم گُو اور سنجیدہ ضرور تھا۔ لیکن جب کسی سے کوئی بحث چھڑ جاتی تھی تو اُس کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگتے تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ علمی بحث کی بجائے کسی لڑاکا بھٹیارن کی نقل کر رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے اپنا مشغلہ بدل دیا۔ وہ اب جوہی کے سپید پھول اکٹھا کر رہا تھا۔ پھر سورج غروب ہو گیا اور وہ لوگ عمارت کی طرف جانے لگے۔ لیکن شاید شاداں دیدہ و دانستہ پیچھے رہ گئی تھی۔ پارک میں اس کے اور عمران کے علاوہ اب اور کوئی بھی نہ رہ گیا تھا۔

عمران نے وہ سارے پھول اپنے رومال میں اٹھا لیے اور واپسی کے لیے مُڑا۔

فوّارے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ڈائنا کے بُت کے نیچے اُسے شاداں نظر آئی۔ وہ بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"یہ کیا بچپنا ہو رہا تھا۔۔۔ کیوں؟" شاداں نے مُسکرا کر پوچھا۔

"خدا کے لئے آپ تو ایسا نہ کہیے۔۔۔ میں بچّہ ہی سہی۔۔۔ مگر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ پھول اس لئے چنے تھے!" عمران نے سارے پھول شاداں کے پیروں پر ڈال دیے۔

"آپ اُلّو ہیں۔" شاداں نے ایک جھینپی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا اور یک لخت دوسری طرف مُڑ کر تیز قدموں سے چل دی۔

"میں اُلّو ہوں!" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لیکن اگر یہ لفظ تمہارے شوہر نے سُن لیا تو میں اسے تین لاکھ کی رسید تک نہ دے سکوں گا۔"

(۱۴)

کیپٹن فیاض آسانی سے پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔ رات کو آٹھ بجے وہ پھر آدھمکا۔ یہ لوگ کھانے کی میز پر تھے۔ نوکر نے ڈائننگ روم میں آ کر داؤد کو اس کا کارڈ دیا۔

"یہ کیا بدتمیزی؟" داؤد نوکر پر اُلٹ پڑا۔

"حضور!" نوکر گڑگڑایا۔ "وہ دھمکیاں دیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ میں پولیس آفیسر ہوں۔ فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو! اب یہ وقت آ گیا کہ پولیس آفیسر داؤد کے نوکروں کو دھمکیاں دینے لگے ہیں۔" داؤد نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس سے کہہ دو، میں کھانے پر ہوں! انتظار کرے۔"

"کیا معاملہ ہے؟" شاداں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! ایک اسمگلر کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہے۔"

"آپ کا اس تفتیش سے کیا تعلّق؟" شاداں نے پوچھا۔

"ایک بار میں نے اس اسمگلر کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دیا تھا۔ وہ ہمارے لانچ حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔ شراب کی اسمگلنگ کے لئے!"

شاداں پھر کھانے میں مشغول ہو گئی۔ شاہدہ نے بھی کچھ پوچھنا چاہا۔ لیکن داؤد نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔ مہمانوں میں شاید کوئی بھی اُردو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے سر جھکائے ہوئے کھانے میں مشغول رہے۔

کھانے کے بعد داؤد تو کیپٹن فیاض سے ملنے کے لئے اسٹڈی میں چلا گیا اور

سب کافی کے انتظار میں وہیں بیٹھے رہے۔ ویسے عام طور پر رات کو کافی اسٹڈی میں ہی پی جاتی تھی۔

شاداں کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔ وہ بار بار عمران کی طرف دیکھنے لگتی اور جب بھی دیکھتی اسے اپنی ہی طرف متوجّہ پاتی۔

یہاں تھیلما بھی تھی اور وہ ان دونوں کو پُر تشویش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کافی آئی اور اُن کے پیالے خالی بھی ہو گئے لیکن داؤد واپس نہ آیا۔

پھر وہ ایک ایک کر کے اُٹھنے لگے۔ چونکہ آج شام کو پارک ہی میں وہ کافی تھک گئے تھے اس لئے انہوں نے کھیل کے کمروں کا رُخ نہیں کیا۔

عمران اور شاداں ساتھ ہی اُٹھے۔۔۔ اور آگے پیچھے کمرے سے نکل گئے۔ شاداں تیز چلنے کی عادی تھی۔ لیکن اس وقت آہستہ چل رہی تھی۔ عمران اُس کے برابر چلنے لگا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" شاداں غصّیلے لہجے میں بڑبڑائی۔

"ایک ہفتہ پہلے بخار ہو گیا تھا۔ اب اچھا ہوں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ اور جب مجھے بخار ہوتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھے تھپک تھپک کر سلاتا رہے۔ مجھے مدھم سروں سے ہلکے ہلکے گیت سنائے۔۔۔ میں بہت جلد مر جاؤں گا۔۔۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔"

"آخر تم مجھے یہ سب کچھ کیوں سناتے ہو؟"

"پھر کسے سُناؤں؟ آپ ہی بتا دیجیے۔۔۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ میں کسی یتیم چمگادڑ کی طرح دِن بھر اپنے ذہن میں اُلٹا لٹکا رہتا ہوں۔"

"تمہاری باتیں بعض اوقات بالکل سمجھ نہیں آتیں۔"

"یہ میری بدنصیبی ہے!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"لیکن تم نے پارک میں وہ کیا حرکت کی تھی؟ میرے پاؤں پر پھول کیوں ڈالے تھے! اگر کوئی دیکھ لیتا تو۔۔۔"

"تو کیا ہوتا؟" عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔ پھر سنجیدگی سے کہنے

لگا۔ ”واہ اس میں بھی کوئی بُرائی ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ کسی دِن داؤد صاحب کی موجودگی میں آپ کے پیروں پر پھولوں کے انبار لگادوں گا۔“

”کہیں دماغ تو نہیں چل گیا ہے!“ شاداں بھنّا کر بولی۔

”دیکھیے بس میں آپ کے اِسی لہجے سے ڈرتا ہوں۔ ایسے مواقع پر دل چاہتا ہے کہ خوب چیخ چیخ کر روؤں۔“

”کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو!“ شاداں چلتے چلتے رُک گئی۔

”اچھا! تو اب یہاں سے میری لاش ہی جائے گی!“ عمران نے کہا اور جھپٹ جھپٹ کر دیوار سے اپنا سر ٹکرانے لگا۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔“ شاداں بوکھلا گئی۔۔۔ شاید وہ ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں کوئی ادھر نہ آ نکلے۔ حقیقتاً داؤد ہی کے آنے کے امکانات زیادہ تھے۔ کیونکہ اس کا بیڈ روم اسی راہداری میں تھا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر عمران کو پکڑنے لگی۔ مگر عمران پر تو جیسے دورہ پڑ گیا تھا۔

اچانک قریب ہی کہیں سے قدموں کی آواز آئی اور شاداں بھاگ کر ایک کمرے میں گھُس گئی اور عمران اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈال کر صاف کرنے لگا کیونکہ ان میں دیوار کا چونا لگ گیا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ دیوار پر سر کی بجائے اس کے ہاتھ ہی پڑتے رہے تھے۔ مگر اس انداز میں کہ وہ شاداں کو سر ٹکراتا ہی نظر آتا رہا تھا۔

قدموں کی آواز دور ہوتی گئی۔۔۔ اور اس راہداری میں بدستور سنّاٹا ہی رہا۔

عمران نے اس کمرے میں جھانکا جہاں شاداں گئی تھی۔ لیکن کمرہ خالی تھا اور دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس طرف بھی ایک راہداری تھی اور دوسرا دروازہ اسی میں کھلتا تھا۔

عمران چند لمحے وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔۔۔ پھر آگے بڑھ گیا۔

(۱۵)

یہ دوسری شام کی بات ہے۔۔۔ شاداں اور عمران عقبی پارک میں تنہا تھے۔۔۔ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں ان پر کسی اور کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی! ان کے چاروں طرف مالتی کی قد آدم جھاڑیاں تھی۔۔۔ لیکن یہ جگہ ایسی بھی نہیں تھی۔۔۔ کہ دیکھ لیے جانے پر انہیں کسی قسم کی پریشانی ہوتی۔۔۔ یہاں سینچائی کے لئے ایک بہت بڑا حوض بنایا گیا تھا۔۔۔ اور اس میں کنول تیرتے رہتے تھے۔ہنسوں کا ایک جوڑا بھی رہتا تھا جس کے پر کاٹ دیئے گئے تھے۔

بہر حال یہ جگہ بڑی پُر فضا تھی۔۔۔ مگر مالتی کی خود رو جھاڑیوں نے اس کے

گرد احاطہ کر رکھا تھا اس لئے بادی النظر میں یہ حصّہ پارک سے غیر متعلّق معلوم ہوتا تھا۔

"اس حوض کی گہرائی کتنی ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی! کیوں؟" شاداں بولی۔

"کاش یہ اتنا گہرا ہو کہ میں ڈوب سکوں۔"

"تم بالکل گدھے ہو کیا؟"

"نہیں تو۔۔۔ بالکل گدھا تو پہلی بار آپ کہہ رہی ہیں۔ ورنہ عام طور پر لوگ بالکل اُلّو کہتے ہیں! اور والد صاحب تو کبھی کبھار اُلّو کا پٹھا بھی کہہ دیا کرتے تھے۔۔۔ خیر اسے چھوڑیے۔ میری بات کا جواب دیجیے۔ آپ مجھ سے محبّت کریں گی یا نہیں؟"

"اس سے پہلے بھی۔۔۔ تمہیں کسی نہ کسی سے محبّت کرنے کا اتّفاق ضرور ہوا ہو گا۔" شاداں اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

”نہیں!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کبھی نہیں۔۔۔ پہلی بار دو روحوں کا۔۔۔ وہ ہوا ہے۔۔۔ کیا کہتے ہیں۔۔۔ ملاپ۔۔۔ اور کیا کہا جاتا ہے۔۔۔ مجھے نہیں معلوم۔۔۔ میں نے کہیں پڑھا تھا اس وقت یاد نہیں رہا۔۔۔ میرا ایک دوست کہہ رہا تھا کہ بعض لوگ جدائی کی راتوں میں تارے گنتے گنتے اکاؤنٹنٹ ہو جاتے ہیں۔“

شاداں بے ساختہ ہنس پڑی۔

”آپ میری لاش پر بھی ہنسیں گی۔“ عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

شاداں یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔۔۔ اس کی پیشانی کی وہ تکبّر آثار شکن اس وقت نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔۔۔ جس کی بناء پر بعض لوگ اس سے مخاطب ہونے کی بھی ہمّت نہیں کر سکتے تھے آخر اس نے سر جھکائے ہوئے دبی آواز سے کہا۔ ”اس کا انجام سوچ لیا ہے؟“

”ہاں! میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے!“

شاداں خاموش ہو گئی اور عمران بڑبڑاتا رہا۔ "اُردُو کے ایک بہت بڑے شاعر کے ابّا میاں اُن سے بچپن میں کہا کرتے تھے۔۔۔ بیٹا عشق کرو۔۔۔ عشق جلاتا اور عشق بناتا ہے حالانکہ میرے ڈیڈی نے کبھی مجھے عشق کرنے کو نہیں کہا لیکن میں اپنے بچّوں سے ضرور کہوں گا۔"

شاداں پھر اُسے گھورنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عمران اس کا مذاق اڑا رہا ہے یا وہ سنجیدہ ہے۔ "میں سمجھتا ہوں۔۔۔ کہ آپ کیوں گھور رہی ہیں۔۔۔ میں کہنا کچھ چاہتا ہوں۔۔۔ نکلتا کچھ ہے۔۔۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اچھی اچھی۔۔۔ پیاری پیاری باتیں کروں آبشاروں اور سبزہ زاروں کی باتیں۔۔۔ چاند اور ستاروں کی باتیں۔۔۔ نیلے وسعتوں کے آسمان بیکراں۔۔۔ ہائیں۔۔۔" عمران خاموش ہو گیا پھر آہستہ سے بولا۔ "نہیں یاد آتا کہ اور کیا کہنا تھا مجھے۔۔۔ بس میں آپ سے محبّت کرتا ہوں۔۔۔"

"خوب۔۔۔" شاداں مُسکرائی۔ "کیا لکھ کر رٹنے کی کوشش کی تھی۔۔۔"

عمران نے بڑی سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر بولا "میرا حافظہ بہت

کمزور ہے۔۔۔ کہیئے تو پڑھ کر سنا دوں۔"

جیب سے ایک مُڑا تڑا کاغذ نکال کر زمین پر پھیلانے لگا۔ شاداں ہنستی ہوئی اور قریب کھسک آئی۔ عمران پڑھنے لگا۔

"نیلے آسمان کی بیکراں وسعتوں کی باتیں۔۔۔ وہ محبّت کرنے والے دلوں سے ستارے گزرتے ہیں اور بیتے دِنوں کی یادیں چاندنی بن کر روح کے عظیم ویرانوں پر پھیل جاتی ہیں۔۔۔ اچھا آگے چلیئے۔۔۔ یہ دوسری کتاب سے نقل کیا تھا۔۔۔ صُبح کا سہانا وقت تھا چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔۔۔ یہاں دراصل گدھے نے لکھا تھا کہ طیّور نغمہ سرائی کر رہے تھے۔ لیکن آپ خود بتایئے کتنی بے تُکی بات ہے۔۔۔ نغمہ سرائی کے معنی ہیں گیت گانا۔۔۔ کیا کوئی چڑیا گیت گا سکتی ہے یعنی کہ مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔۔۔ ہرگز نہیں گا سکتی۔۔۔ خدا اس جھوٹ کا بیڑا غرق کرے بھولی بھالی پبلک کو اُلّو بناتا ہے۔"

"کون۔۔۔؟" شاداں نے ہنس کر پوچھا۔

”وہی۔۔۔ مصنّف۔۔۔“ عمران کاغذ کے پرزے اُڑاتا ہوا بولا۔ ”ہاں تو آپ کیا کہتی ہیں؟ مجھ سے محبّت کریں گی یا نہیں؟“

”آپ باتیں کرتے ہیں یا لٹھ مارتے ہیں۔“ شاداں جھنجھلا کر بولی۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

شاداں اُٹھ کر جانے لگی۔ عمران نے لپک کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

”میں مر جاؤں گا۔“ عمران گڑ گڑایا۔

”تم بُدھو ہو!“ شاداں ہنسی سے دوہری ہو گئی۔

”کلک۔۔۔!“ ایک ہلکی سی آواز آئی اور شاداں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کوئی۔۔۔ یہاں کوئی تھا۔۔۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”اونہہ۔۔۔ ہو گا!“ عمران نے لاپروائی سے کہا۔ ”دو محبّت کرنے والوں پر فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے! اللہ مالک ہے۔۔۔“

"تمہارا دماغ خراب ہے۔۔۔" شاداں نے کہا۔ اور اُدھر ہی بڑھتی چلی گئی۔ جدھر سے آواز آئی تھی۔

عمران بھی اُٹھا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا مگر نزدیک و دُور کوئی بھی نہیں تھا۔

"داؤد صاحب بہت شکّی آدمی ہیں!" شاداں نے آہستہ سے کہا۔

"زیادہ گڑبڑ کریں گے تو میں انہیں قتل کر دوں گا!" عمران نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔۔۔ ہو۔۔۔" شاداں اسے غور سے دیکھنے لگی۔

(۱۶)

کیپٹن فیاض نے داؤد کے مہمان خانے میں اُدھم مچا رکھا تھا۔۔۔ اس وقت اس کے ساتھ فگارو کا منیجر بھی تھا۔ داؤد کا چہرہ غصّہ سے سُرخ نظر آ رہا تھا۔۔۔ اُس کے سارے ہی مہمان اُس سے خفا نظر آ رہے تھے۔ داؤد پہلے بھی اپنی پوزیشن صاف کرنے کے سلسلے میں بہت کچھ کہہ چکا تھا اور اب بھی وہ وقتاً فوقتاً بولتا جا رہا تھا۔

"یہ شراب کا اسمگلر ہے!" وہ فگارو کے منیجر کی طرف اشارہ کر کے دہاڑا۔ "اس نے اِسی لیے میرے لانچ حاصل کرنے چاہے تھے۔ میں نے انکار کر

دیا۔ اس پر یہ بکھیڑا اٹھایا گیا ہے۔"

"میں کالا چور ہوں۔۔۔ داؤد صاحب!" فگارو کے منیجر نے کہا۔ "لیکن اِسے ثابت کئے بغیر مجھے پھانسی نہیں ہو سکتی۔۔۔ میں نے کپتان صاحب کو وہی بتایا ہے جو مجھے کرار سے معلوم ہوا تھا۔ ایک میں ہی نہیں کرار صاحب نے اپنے ایک ملازم سے بھی تذکرہ کیا تھا!"

"تو پھر بتاؤ نا۔۔۔ وہ کون ہے؟" داؤد غرّایا۔ "بتاؤ میرے مہمانوں میں سے کون ہے جس کا ہاتھ کرار کے قتل میں ہو سکتا ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتا! مجھے جتنا علم تھا میں نے کپتان صاحب کو اُس سے آگاہ کر دیا!" فگارو کے منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"آپ لوگ براہِ کرم خاموش رہیں!" فیاض نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ فرداً فرداً وہ سارے مہمانوں سے سوالات کر رہا تھا۔

"کرار کا قاتل میں ہوں!" اچانک دروازے کی جانب سے آواز آئی۔ کیپٹن

فیاض چونک کر مڑا۔ اور اس کے چہرے پر شدید ترین غصّے کے آثار نظر آنے لگے۔۔۔ عمران تنہا نہیں تھا۔ اُس کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے اور ان کے جسموں پر فوجی وردیاں تھیں۔

"تم یہاں کیسے!" کیپٹن فیاض نے غصّیلی آواز میں پوچھا۔

"تم کمرے سے نکل جاؤ!" عمران نے کہا۔ پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا انگریزی میں بولا۔ "جوّاد اکرم اور داؤد کے علاوہ اور سب لوگ کمرے سے چلے جائیں!"

ساتھ ہی اُس نے اپنے آدمیوں کو کچھ اشارہ کیا اور ان میں سے دو فوجی جوّاد اکرم کے قریب پہنچ گئے۔ جوّاد اکرم۔۔۔ سنجیدہ ترین آدمی۔۔۔ جو داؤد کے مہمانوں میں ایک خاص قسم کی شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے چند ناسمجھ بچّوں میں کوئی فلاسفر!

"ہمارا شکار یہی ہے!" عمران نے ان دونوں فوجیوں سے کہا جو جوّاد اکرم کے

اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اُس کے بازو پکڑ لیے۔

"اس بے ہودگی کا مطلب۔۔۔؟" جوّاد عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

"دِن کو نہیں سمجھ میں آئے گا مطلب۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔ "تم رات کے شہزادے ہونا!"

داؤد آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی عمران کو دیکھتا تھا اور کبھی جوّاد اکرم کو۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جوّاد اکرم جیسا آدمی بلیک میلر بھی ہو سکتا ہے اور بلیک میلر بھی کیسا جس سے سارا فرانس تھرّاتا تھا۔ جس سے جنوبی افریقہ کے بڑے لوگ بُری طرح خائف تھے۔ وہ اُسے آج سے نہیں تقریباً پچیس سال سے جانتا تھا اور دونوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ داؤد کسی حد تک اس کا احترام بھی کرتا تھا۔

"فیاض یہاں سے چلے جاؤ۔" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس کیس کا تعلق براہ راست محکمہ خارجہ سے ہے اور میں۔۔۔ مجھے تو تم جانتے ہی ہو کہ

میں محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کا چیف آفیسر ہوں۔۔۔"

اچانک جوّاد اکرم جست لگا کر ان دونوں فوجیوں کے درمیان سے نکل گیا اور اب اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"تم سب اپنے ہاتھ اُوپر اٹھالو۔" وہ غرّایا۔

"فیاض باہر جاؤ!" عمران نے پھر ہانک لگائی۔

"تم سب باہر جاؤ۔۔۔ جاؤ ورنہ۔" جوّاد اکرم نے کہا اور عمران پر فائر کر دیا لیکن عمران غافل نہیں تھا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا اور گولی فگارو کے منیجر کی ران میں لگی۔ وہ چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لوگ اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے۔ پہل فیاض ہی نے کی تھی۔ عمران رینگتا ہوا ایک الماری کی اوٹ میں ہو گیا۔ جوّاد اکرم لوگوں کو باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر عمران پر نہیں پڑی۔ ایک ایک کر کے وہ سب کمرے سے نکل گئے۔ آخری آدمی کے ساتھ ہی وہ دروازے تک گیا۔ آخری

آدمی داؤد کا ایک مہمان تھا۔ اچانک باہر سے کسی نے فائر کر دیا۔ کمرے میں ایک چیخ گونجی۔ داؤد کا وہ مہمان فرش پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ باہر سے پھر کئی فائر ہوئے۔ لیکن جوّاد نے اتنی دیر میں ایک میز گرا کر پوزیشن لے لی تھی۔ وہ بھی اُس کی آڑ سے فائر کرنے لگا۔ لیکن وہ اِس سے بے خبر تھا کہ خود اس کی موت آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔

عمران بلّیوں کی طرح گھٹنوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جوّاد کا ایک ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ اُس نے اُسے فرش پر ڈال کر بائیں ہاتھ کا ریوالور داہنے میں سنبھالا ہی تھا کہ عمران نے اُس پر چھلانگ لگا دی۔ ریوالور جوّاد کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر اُسے سنبھلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ عمران نے اپنی بائیں کلائی اُس کی گردن میں جما دی تھی اور داہنے ہاتھ سے داہنی کنپٹی پر گھونسے مار رہا تھا۔ کمر پہلے ہی ٹانگوں میں جکڑی جا چکی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی کیکڑا اپنے شکار سے چمٹ گیا ہو۔ جوّاد ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ کیونکہ اس کی کنپٹی پر کم و بیش ایک درجن گھونسے پڑ

چکے تھے۔ گری ہوئی میز کی آڑ ہونے کی بنا پر باہر والوں کو علم نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

دفعتاً عمران بے ہوش مجرم کو فرش پر چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"سیٹھ داؤد میرے آدمیوں کے علاوہ اور کوئی اندر نہیں آئے گا۔" اس نے کہا کہ اس کے پانچ ساتھی اور داؤد اندر آ گئے۔ عمران کے کہنے پر دروازہ بند کر دیا گیا۔ داؤد کے جس مہمان کے گولی لگی تھی وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور فگارو کا منیجر زخمی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔

"یہ کس کمرے میں مقیم تھا مسٹر داؤد!" عمران نے پوچھا۔ "یہ۔۔۔ اسی کا۔۔۔ کمرہ ہے۔" داؤد بولا۔

"یقین ہے آپ کو؟ یعنی اس کا سارا سامان اسی کمرے میں ہے۔"

"جی ہاں! یہ کمرہ اسی کے لئے تھا۔ یہ یہاں تنہا رہتا تھا!"

"شروع ہو جاؤ۔" عمران نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور انہوں

نے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

اور عمران بے ہوش مُجرم پر جھک پڑا۔ اُس نے سب سے پہلے اس کے جسم سے وہ کیمرہ الگ کیا جسے وہ اپنے شانے سے لٹکائے ہوئے تھا۔ پھر اس کی جیکٹ کا زِپ کھینچ کر سینہ ننگا کر دیا اور اس طرح اس کے جسم کو ٹٹولنے لگا جسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔۔۔ تقریباً دو منٹ تک وہ یہی کرتا رہا۔ پھر اس کے کپڑے اُتارنے شروع کر دیے۔ بنیان کے نیچے اس کے سینے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

وہ کچھ اس قسم کی بینڈیج تھی جیسے وہ اس کے سینے یا پسلی کی کوئی ہڈّی ٹوٹ جانے پر کی گئی ہو۔۔۔ جب وہ پٹیاں اُس سے نہ کھلیں تو وہ انہیں قلم تراش چاقو سے کاٹنے لگا۔ داؤد بے حس و حرکت کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کبھی اس کی بے چین اور خوفزدہ آنکھیں تلاشی لینے والوں کی طرف اُٹھ جاتیں اور کبھی عمران کی طرف! اور پھر اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گِر جائے گا۔ ایسا ہو بھی جاتا مگر اُس نے بڑی پھرتی سے گِری ہوئی میز کا گوشہ

تھام لیا تھا۔ اس کی وجہ شاید وہ لفافے تھے، جو بیہوش مجرم کے سینے پر بندھی ہوئی پٹیوں کے نیچے سے بر آمد ہوئے تھے۔

یہ واٹر پروف کپڑے کے سر بمہر لفافے تھے اور ان کی تعداد پانچ تھی۔

"ہتھکڑیاں کس کے پاس ہیں؟" عمران نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔

"میرے پاس!" ایک نے کہا۔

"ہتھکڑیاں لگا دو۔۔۔ اور اسے یہاں سے لے چلو!" عمران بولا۔ "اور یہ لاش۔۔۔ یہ زخمی۔۔۔ ان کے لیے کوتوالی فون کر دو۔۔۔ تلاشی کے لیے صرف دو آدمی کافی ہیں۔۔۔ کیپٹن ریڈ اور لیفٹیننٹ خان۔۔۔ تم ٹھہرو گے!"

"بہتر جناب!"

(۱۷)

کمرے سے لاش، مجرم اور زخمی ہٹائے جا چکے تھے۔ داؤد دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں کسی قسم کی کشمکش سی جاری ہے! اس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے اور اُن میں نیلاہٹ سی دوڑ گئی تھی۔

"سیٹھ داؤد!" عمران آہستہ سے بولا۔ "تم ڈر رہے ہو!"

"ہاں! میں ڈر رہا ہوں!" داؤد نے گھُٹی گھُٹی سی آواز میں کہا۔ "پہلے میرا راز ایک بلیک میلر کے قبضے میں تھا۔۔۔ اور اب وہ۔۔۔ ایسے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے کہ اس کی پبلسٹی بھی ہو سکتی ہے۔"

”میرے پاس تمہارا کوئی راز نہیں ہے۔“ عمران بولا۔

”ہے مسٹر عمران۔۔۔ آپ نے جو لفافے بر آمد کیے ہیں۔ ان میں سے یقیناً ایک میرے معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔“

”ٹھیک ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی کا نام تحریر ہے۔ لیکن مجھے تمہارا نام کہیں نظر نہیں آیا۔“

”عادل کریم۔۔۔ میرا مطلب ہے! کیا اس نام کا بھی کوئی لفافہ نہیں ہے؟“

”ہاں ہے تو!“ عمران اسے گھورنے لگا۔

”جی ہاں۔ بس وہی ہے۔“

”مگر تمہارا نام تو داؤد ہے۔“

”میرے چھوٹے بھائی کا نام ہے۔۔۔ عمران صاحب دو زندگیاں برباد ہو جائیں گی۔“ داؤد نے گلوگیر آواز میں کہا اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

عمران خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”تم یہ لفافہ لے سکتے ہو۔۔۔ لیکن اگر اس نے عدالت میں اس کے متعلّق کچھ کہا تو۔۔۔؟“

”میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔ کہ کیا ہو گا۔۔۔ مجھے بچایئے عمران صاحب! مجھ سے ایک اخلاقی جرم سرزدہ ہوا تھا۔۔۔ مجھے بچایئے!“

”لفافہ اُٹھالو۔۔۔“ عمران نے لفافہ اس کے سامنے ڈال دیا۔

داؤد لفافہ اٹھانے کے لئے جھکا اور اُسے اٹھاتا ہوا دوسرا ہاتھ عمران کے پیر پر رکھ کر بولا۔ ”یہ پاؤں ہمیشہ میری گردن پر رہے گا۔ میں نے اِس لفافے کی قیمت تین لاکھ لگائی تھی وہ رقم ہر وقت آپ کی ہے۔۔۔“

”شکریہ!“ عمران نے کہا۔ ”اگر میں تمہارے کام کے لئے یہاں آیا ہوتا تو یقیناً یہ رقم میری ہوتی۔۔۔ مگر میں خود اس کی تلاش میں تھا۔۔۔ اسی دوران میں تھیلما آ ٹکرائی۔۔۔“

”نہیں وہ تو آپ کو لینی ہی پڑے گی!“ داؤد نے کہا۔

لیکن عمران اسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

(۱۸)

”جناب!“ عمران سر سلطان سے کہہ رہا تھا۔ ”اب میرے پاس تین لفافے اور ہیں! وہ بھی یہیں کی تین بڑی شخصیتوں سے تعلّق رکھتے ہیں یعنی اُن پر اُن کے نام اور پتے درج ہیں۔ جس طرح میں نے آپ کے نام کا لفافہ کھولے بغیر آپ کے سپرد کر دیا۔ اسی طرح انہیں بھی۔۔۔ مگر نہیں بہتر یہی ہے کہ میں انہیں نذرِ آتش کر دوں۔“

”مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں! جو تمہارا دل چاہے کرو!“ سر سلطان بولے۔

”مگر عمران تم نے اسے پکڑا کیسے؟“

”یہ نہ پوچھیے جناب تو بہتر ہے! مجھے اس کے لئے ایک بہت ہی ذلیل قسم کی حرکت کرنی پڑی ہے!“

”یعنی؟“

”اف آپ پوچھ کر ہی رہیں گے! لیکن اگر کہیں والد صاحب کو اس کا علم ہو گیا تو مجھے عاق ہی کر دیں گے!“

”بتاؤ نہیں تو مارتا ہوں چانٹا!“

”مجھے داؤد کی بیوی سے۔۔۔ وہ کرنا پڑا تھا۔“

”کیا۔۔۔؟“

”وہی۔۔۔!“

”کیا بکتے ہو؟“

”جی ہاں عشق۔۔۔!“ عمران شرما کر بولا۔ ”پتہ نہیں یہ ایکٹنگ تھی یا حقیقت!“

"کیا مطلب؟"

"بلیک میلر ہر وقت مواد کی تلاش میں رہتا ہے۔ میں نے سوچا کیوں نہ اِسی لائن پر تجربہ کیا جائے۔ لٰہذا میں نے داؤد کی بیوی میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور ساتھ ہی اُس کا جائزہ بھی لیتا رہا کہ ہم دونوں میں کون زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ پینگیں بڑھتی رہیں اور ایک آدمی سائے کی طرح ہم دونوں کے پیچھے لگا رہا۔ یہ جوّاد اکرم تھا۔ پھر پرسوں اُس نے چھپ کر ہم دونوں کی تصویر لے ڈالی جس میں ہم دونوں بظاہر مشتبہ حالت میں نظر آتے ہیں لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ میں نے اُس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے اور وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو کر مُجھ پر جھک آئی تھی۔ یہ تصویر اُس کے لئے بڑی منافع بخش ثابت ہوتی۔ وہ داؤد کے ساتھ ہی ساتھ اُس کی بیوی کو بھی بلیک میل کر کے بڑی بڑی رقمیں اینٹھنا شروع کر دیتا۔ بہر حال میں اُس سے واقف تھا کہ تصویر لینے والا جوّاد اکرم ہی تھا کیونکہ وہ شروع ہی سے ہمارا تعاقب کرتا ہوا جھاڑیوں تک پہنچا تھا۔"

پھر عمران نے اپنے اس عشق کی داستان تفصیل کے ساتھ دہرائی اور خاموش ہو گیا۔

"عمران!" سر سلطان سنجیدگی سے بولے۔ "واللہ تم بلا کی کھوپڑی رکھتے ہو۔ بھلااِس کے علاوہ اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی!"

نہیں جناب! یہ نہ کہیے۔ میں اسے ہر حال میں گرفتار کرلیتا۔ اگر وہ بلیک میلر ثابت نہ ہوتا تب بھی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک سازشی بھی تھا۔ بعض بین الاقوامی سیاسی سازشوں میں بھی اُس کا ہاتھ رہ چکا ہے اور اس کی تصویر اس حیثیت سے پہلے ہی میرے محکمے کے پاس پہنچ چکی تھی!"

"آہا۔۔۔ آہا۔۔۔" سر سلطان مضطربانہ انداز میں بولے۔ "اب معاملہ بالکل صاف ہو گیا!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ مجھ سے چند اہم دستاویزات کی نقلیں چاہتا تھا اور وہ دستاویزات بین

الاقوامی ہی نوعیت کی ہیں!"

"اگر آپ یہ بات پہلے بتا دیتے تو مجھے داؤد کی بیوی سے عشق کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کرنی پڑتی۔۔۔ ذرا سوچیے تو۔۔۔ اگر اس نے اپنا عشق برابر جاری رکھا تو کیا ہو گا! میں کہاں جاؤں گا۔۔۔ اللہ رحم!"

"مت بکو!"

عمران خاموش ہو گیا پھر توڑی دیر بعد بولا۔ "حقیقتاً کرار اسے پہچانتا تھا۔ ورنہ جوّاد اُسے قتل نہ کرتا۔۔۔ اس طرح اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ایک طرف ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جو اُسے پہچانتا تھا اور دوسری طرف آپ کو خوفزدہ کر دیا۔ یعنی یہ ظاہر کرنا چاہا اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو وہ سب کچھ کر گزرے گا۔ ظاہر ہے جو آدمی دِن دہاڑے ایک آدمی کو قتل کر کے آپ کے پائیں باغ میں ڈال جائے وہ آپ کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس طرح اُس نے آپ پر اپنا رعب بٹھانا چاہا تھا۔ پھر فگارو کے مینجر کو فون کرانے کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ کرار کو تلاش کرتا ہوا

آپ کے بنگلے تک آئے۔ اتنی دیر میں لاش یقیناً دریافت کی جا چکی ہو گی اور وہ اپنے بیان میں یہ کہے کہ کرار نے اُسے آپ ہی کے بنگلے سے فون کیا تھا۔ آپ بری طرح پھنس جاتے۔۔۔ جناب! اور اُلّو والی بات تو آپ کسی سے کہہ ہی نہ سکتے۔ کیونکہ اُس کے پاس آپ کے خلاف کوئی ٹھوس قسم کا مواد موجود تھا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔۔۔ عمران۔۔۔" سر سلطان ایک طویل سانس لے کر بولے۔ "میں ہمیشہ تمہارا شکر گزار رہوں گا۔۔۔ ہاں۔۔۔ اور وہ یہ بھی سُن لو کہ تم اب محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس سے نکل بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے!"

"میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ جناب! کیونکہ بعض اوقات میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے جسم ہی سے نکل بھاگوں! خصوصاً اس وقت جب میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہی چلی جاتی ہے آہا! خوب یاد آیا! اس کیس کی کامیابی کا سہرا دراصل اس لڑکی کے سر ہے جو مجھے اکثر فون پر بور کیا کرتی ہے۔"

سر سلطان کے استفسار پر عمران نے وہ داستان بھی شرماشرما کر دہرائی اور پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”اس نے بار بار رِنگ کر کے کچھ ایسی اُدھم مچائی تھی کہ آپ کے اور فگارو کے فون کا سلسلہ میرے فون سے آملا۔“

سر سلطان بڑی دیر تک ہنستے اور عمران کو بُرا بھلا کہتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ شادی نہ کر کے اپنی زندگی برباد کر رہا ہے۔

(۱۹)

داؤد کو کبھی نہ معلوم ہو سکا کہ عمران نے جوّاد اکرم پر کس طرح قابو پایا تھا۔ اس نے بارہا عمران سے پوچھا۔ لیکن عمران ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال گیا کہ وہ ایک سرکاری راز تھا!

اور شاداں بے چاری تو عمران کا دوسرا روپ دیکھ کر پہلے ہی سہم گئی تھی۔ اس کی ہمّت ہی نہیں پڑی کہ وہ عمران سے دوبارہ ملتی! لہٰذا اس مضحکہ خیز عشق کی داستان بھی جہاں تہاں رہ گئی۔

البتّہ وہ نامعلوم لڑکی اب بھی عمران کو فون پر بور کرتی رہتی ہے اور عمران کا

خیال ہے کہ اگر اُس نے کچھ دِن اور چھیڑ چھاڑ جاری رکھی تو وہ پاگل ہو کر کتّوں کی طرح بھونکنے لگے گا۔ کیونکہ اکثر وہ اُس کے کاموں میں بھی حارج ہونے لگتی ہے۔

ویسے اب عمران نے بھی ایک نئ حرکت شروع کر دی ہے۔ اس نے ایک کتّے کا پِلّا پال لیا ہے۔ جب بھی اُس نامعلوم لڑکی کا فون آتا ہے وہ کتّے کے پلّے کا منہ ماؤتھ پیس کے سامنے کر کے اس کی دُم اینٹھ دیتا ہے۔

(ختم شد)